ابھی تو مات باقی ہے
از
عمیرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ابھی تو مات باقی ہے

رابیل نے چلتے چلتے اچانک عثمان کو بڑبڑاتے سنا۔اس نے کچھ حیرانی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ ہونٹ بھینچے ہوئے زیرلب کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی شکنوں نے اسے کچھ اور حیران کیا۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا ہے؟''اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''جن مردوں کو اپنی نظروں پر قابو نہیں ہوتا انہیں اندھا کر دینا چاہیے۔''وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے غرایا تھا۔

رابیل نے کندھے اچکاتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔عثمان کے ایسے ریمارکس اس کے لیے نئے نہیں تھے۔اس کی شادی کو آٹھ سال ہونے والے تھے اور ان آٹھ سالوں میں عثمان کئی دفعہ اسی طرح بھڑکتا رہا تھا۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ رابیل کے چہرے پر نمودار ہوئی۔

''بھئی، یہاں ایسا کون ہے جسے تم اندھا کر دینا چاہتے ہو؟''اس نے ایک نظر سامنے دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''یار! یہ کارڈیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے داخلی دروازے پر جو آدمی کھڑا ہے یہ تب سے تمہیں گھور رہا ہے، جب ہم وہاں کھڑے میجر شفقت سے باتیں کر رہے تھے۔مجال ہے ایک لمحہ کے لیے بھی اس نے نظر ہٹائی ہو۔اسے پتا بھی چل گیا ہے کہ میں اس کی اس سرگرمی سے واقف ہو چکا ہوں مگر تم اس کی ڈھٹائی دیکھو کہ یہ پھر بھی کوئی پروا کیے بغیر اسی طرح تم پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔اپنی عمر دیکھنی چاہیے اس کمینے کو۔تم اس کی بیٹی کے برابر ہو گی اور یہ پھر بھی۔''

وہ کسی پر نظریں جمائے بولتے ہوئے چلتا جا رہا تھا۔رابیل نے متلاشی نظروں سے کارڈیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی طرف دیکھا تھا۔وہ دونوں اب اس شخص کے کافی قریب آ گئے تھے۔ایک لمحہ کے لیے وہ جیسے منجمد ہو گئی تھی۔اس شخص نے رابیل کو اپنی طرف دیکھتے پا کر فوراً ہی نظریں ہٹا لی تھیں۔رابیل کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔اس آدمی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر وہ تیز قدموں کے ساتھ عثمان کے ساتھ چلتے ہوئے سی ایم ایچ کے گیٹ سے باہر آ گئی تھی۔وہ جانتی تھی، وہ شخص اب بھی اسے گھور رہا ہو گا۔اب بھی اس کی نظریں اس کے وجود پر مرکوز ہوں گی اور شاید تب تک رہیں گی جب تک کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتی۔

بعض چہروں کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی چاہے ان سے ہمارا کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو۔چاہے انہیں ہم آٹھ منٹ بعد دیکھیں یا آٹھ سال بعد۔چاہے انہیں ہم نے محبت سے دیکھا ہو یا نفرت سے مگر ایک بار دیکھنے کے بعد وہ چہرے دماغ میں فیڈ ہو جاتے ہیں۔پھر دوبارہ کبھی ذہن سے

اوجھل نہیں ہوتے۔ آٹھ سال پہلے اس نے بھی اس شخص کو تین بار دیکھا تھا۔ صرف تین بار اور آج پہلی ہی نظر میں تین سیکنڈ سے بھی کم وقت میں وہ اسے پہچان گئی تھی اور پھر آٹھ سال پہلے اسے وہ چھ ماہ یاد آنے لگے تھے جو اسے آسمان سے زمین پر لے آئے تھے۔ جب اس نے اپنی ہستی کو برزخ میں محسوس کیا تھا جب اپنے وجود کو پاتال میں دیکھا تھا اور پھر اس برزخ کی آگ کو بجھانے اور اس پاتال سے نکلنے میں اسے بہت وقت لگا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس کے چہرے پر کوئی ایسی کیفیت ضرور ابھری تھی۔ جس نے عثمان کو چونکا دیا تھا جو گیٹ سے باہر نکلتے ہی نارمل ہو گیا تھا شاید یہ سوچ کر کہ وہ اب اس آدمی کی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔

''کچھ نہیں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔ بس اس بچے کے کیس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔''

اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ عثمان خاموش رہا۔ وہ دونوں جیپ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ڈرائیور نے اس کے لیے جیپ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر بیٹھ گئی۔ عثمان فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اسامہ لپکتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

''ماما! اب پہلے آئس کریم کھانے جائیں گے۔''

اس نے اس کی گود میں آتے ہی فرمائش کی تھی۔ ''ہاں' آئس کریم کھانے چلیں گے، مگر پہلے آئزہ کو سکول سے لے لیں پھر۔ ٹھیک ہے نا؟'' اس نے اسامہ کا گال چومتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر پھر میں دو کون کھاؤں گا۔'' اس نے اپنی ایک اور شرط پیش کر دی تھی۔

''بس دو؟'' رابیل دماغ سے اس چہرے کو جھٹکنے میں مصروف تھی۔

''ہاں بس دو مگر اگر آئزہ دو کھائے گی تو پھر میں تھری کھاؤں گا۔'' ایک اور دو کے بعد اس کی اردو کی گنتی ختم ہو جاتی تھی۔ اب وہ رابیل کو انگلیاں دکھا کر تھری کہہ رہا تھا۔

''اور اگر میں آئزہ کو ایک فیملی پیک لے دوں تو؟'' عثمان اپنے چار سالہ بیٹے کو چھیڑ رہا تھا۔

''اور اگر میں۔'' عثمان اور اسامہ کے درمیان اب باقاعدہ بحث شروع ہو گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر وہی چہرہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

❁

''میں سیریس ہوں؟ کم آن یار! میں تو سیریس نہیں ہوں۔ یہ بیماری اسی طرف سے ہے۔ اوئے تو سمجھتا کیوں نہیں ہے۔ میرے جیسے بندے کے پاس اتنی ہمت کہاں۔'' وہ یونیفارم تبدیل کیے بغیر اوندھے منہ بیڈ پر لیٹے تکیے پر بازو ٹکائے فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔

''اچھا اچھا۔ تجھے بھی جانتا ہوں میں' بڑا سورما ہے نا تو۔ تیس مار خاں سامنے آنا پھر ایسی باتیں کرنا، تیرا منہ نہ توڑ دیا تو پھر کہنا۔'' وہ اب کچھ جھنجھلا رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کے انہماک کو توڑا تھا۔

''جسٹ اے منٹ خبیث۔'' اس نے فون پر اظفر سے کہا تھا اور پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یس کم ان۔'' اس نے بلند آواز سے کہا تھا۔

''سر! آپ کے کپڑے پریس کر لایا ہوں اور چائے یہیں پیئیں گے یا باہر لان میں؟'' روم سروس والا دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ ہینگر میں لٹکے ہوئے کپڑوں کو کرسی کی پشت پر لٹکاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ حسن نے ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی اور پھر اسی طرح ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے ہوئے کہا۔

''نہیں اسے اب رہنے ہی دو۔ مجھے باہر جانا ہے۔''

''میجر یاور علی آپ کا پوچھ رہے تھے۔'' وہ ماؤتھ پیس سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے چونکا تھا۔

''وہ کب آئے تھے؟''

''دوپہر کو آئے تھے، یہیں میس میں ہی ٹھہرے ہیں۔''

''اس وقت کمرے میں ہی ہیں؟''

''نہیں، وہ تو اسی وقت باہر چلے گئے تھے لیکن کہہ رہے تھے کہ آپ آئیں تو آپ کو بتا دوں۔''

''اچھا وہ آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ مجھے کسی ضروری کام سے جانا تھا۔ میں رات کو ان سے ملوں گا۔ اب تم جاؤ۔'' اس نے اسے ہدایات دیں اور پھر ماؤتھ پیس سے ہاتھ اٹھا کر باتوں میں مصروف ہو گیا۔

''اچھا میں تو بس تھوڑی دیر میں نکلنے والا ہوں، بس چھ بجنے ہی والے ہیں۔ مجھے زرقا کو بھی پک کرنا ہے۔ تم کب کلب پہنچو گے؟'' وہ اظفر سے اس کا شیڈول پوچھ رہا تھا۔

''نہیں کلب سے ہوتے ہوئے گیریژن سینما چلے جائیں گے۔''

''نہیں یار! وہاں تو ضرور جانا ہے۔''

''بس سمجھا کرو یار۔''

''زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔''

''ہاں، زرقا بھی فلم دیکھنے چلے گی۔ یار! اس سے پہلے ہی پروگرام طے کیا ہوا تھا۔ تمہارا مسئلہ بھی حل کر دوں گا۔ تم کلب تو چلو۔ ایک کے بجائے دس لڑکیاں ساتھ چلیں گی۔ تم بات کر کے تو دیکھنا۔ اچھا تم نہ کرنا۔ میں کروں گا۔ تم بس یہ مسئلہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں آٹھ بجے تک کلب انتظار کروں گا تمہارا۔ وہاں نہ آئے تو دوبارہ شکل مت دکھانا مجھے۔'' اس نے اظفر کو دھمکاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

سیٹی پر ایک انگلش نمبر کی دھن بجاتے ہوئے وہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔

لاہور میں پوسٹڈ ہوئے اسے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اور یہاں آتے ہی اس کی سرگرمیاں پھر سے شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جنرل بابر کریم کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس سے بڑے ایک بھائی اور ایک بہن تھے دونوں شادی شدہ تھے۔ اس کا بڑا بھائی اور بہنوئی دونوں فوج میں تھے اور یہ سلسلہ

یہیں پر ختم نہیں ہوتا تھا۔اس کے چچا اور تایا کے علاوہ ان کی اولادیں بھی کسی نہ کسی حوالے سے آرمی سے وابستہ تھیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آ رہا تھا۔

حسن دانیال کا خاندان ان خاندانوں میں سے نہیں تھا جو آرمی کا کھاتے ہیں۔ وہ ان خاندانوں میں سے تھے جو آرمی کو کھاتے ہیں۔اس کے خاندان کے لوگ فوج اور بیوروکریسی میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے اور پھر باہمی گٹھ جوڑ سے وہ اپنے عہدوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے تھے۔حسن کا دادا انگریزوں کی فوج میں کرنل کے عہدے تک پہنچا تھا تو اس کی بنیادی وجہ کوئی پروفیشنل مہارت نہیں تھی۔ بلکہ اس کے دادا کی انگریز بیوی تھی جو لیسٹر کے کسی ارسٹوکریٹ کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی۔اسے حسن کے دادا سے طوفانی قسم کا عشق ہوا تھا اور اس عشق کا نتیجہ شادی کی صورت میں نکلا تھا۔اس شادی نے حسن کے دادا کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ازابیلا اس قدر خوبصورت تھی کہ اس پر پہلی نظر ہمیشہ دیکھنے والے کے لیے کافی سنگین ہوتی تھی اور ازابیلا نے اپنے شوہر کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی خوبصورتی کا بڑے اچھے طریقے سے استعمال کیا تھا اور اس استعمال پر حسن کے دادا کو کبھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ان کے نزدیک زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان کی آئندہ آنے والی نسلیں ایک کرنل کی نسل کہلائیں گی۔انگریزوں نے انہیں صرف عہدہ ہی نہیں دیا تھا بلکہ جاگیر سے بھی نوازا تھا اور اس جاگیر نے ان پر دوآتشہ کا کام کیا تھا۔ان کے یہی تعلقات بعد میں ان کے بیٹوں کے کام آئے تھے۔ان کے دو بیٹوں نے آرمی جوائن کی تھی اور دونوں جنرل کے عہدے پر پہنچے تھے۔باقی دونوں بیٹوں میں سے ایک میڈیکل کور میں گیا تھا اور پھر وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر لندن چلا گیا اور سب سے چھوٹا والا بیٹا بھی لاء کرنے کے بعد باہر ہی سیٹل ہو گیا تھا۔بابر کریم تیسرے نمبر پر تھے اور انہوں نے ماں باپ سے تمام گر سیکھے تھے جو ان کے خاندان کے شجرہ نسب کو اور مضبوط کرتے۔ان کے باپ نے ان کی شادی بھی ایک جنرل کی بیٹی سے کی تھی اور اس رشتے نے ان کے سوشل اسٹیٹس کو اور بڑھا دیا تھا اور یہ سلسلہ صرف یہیں ختم نہیں ہوا تھا بابر کریم نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی بھی ایک ایسے ہی خاندان میں کی تھی جو ان ہی کی طرح کئی نسلوں سے آرمی سے وابستہ تھا اور اپنی بیٹی کی شادی بھی انہوں نے اپنے سب سے بڑے بھائی کے بیٹے سے کی تھی۔

حسن دانیال ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور سب سے لاڈلی اولاد بھی اور اس بات کا اس نے بچپن سے ہی فائدہ اٹھایا تھا۔اس میں بھی اپنے خاندان کی تمام خوبیوں اور خامیوں کا عکس نظر آتا تھا۔باپ اور بڑے بھائی کی طرح وہ شوقیہ ڈرنک بھی کرتا تھا اور ان باقی تمام مشاغل سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔جن سے اس کے خاندان کے تمام لوگ لطف اندوز ہوئے تھے۔سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے مردوں کی طرح رنگین مزاج تھا۔جانتا تھا کہ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون حلال کی کمائی کے اجزا نہیں رکھتا کیونکہ وہ رزق حلال کی پیداوار نہیں تھا۔

بابر کریم جس جس عہدے اور پوسٹنگ پر بھی رہے تھے۔انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔فوج کے زیر استعمال پٹرول پمپوں میں پٹرول کی سپلائی میں ہیرا پھیری سے لے کر کینٹ کے علاقے میں زمینوں اور پلاٹوں کی خاص لوگوں کو الاٹمنٹ کرنے تک وہ ہر قسم کے اسکینڈل میں ملوث رہے تھے۔مگر ان کے خلاف ہونے والی ہر انکوائری کے بعد نہ صرف انہیں ایک عدد اچھی پوسٹنگ سے نوازا جاتا رہا تھا۔ بلکہ انہیں پروموشن بھی دی جاتی رہی تھی۔ان تمام حربوں سے حسن دانیال بھی واقف تھا اور جانتا تھا کہ آگے بڑھنے کے لیے اور اپنے باپ دادا کی طرح ساکھ بنانے کے لیے یہ سب بے حد ضروری ہوتا ہے۔

ساڑھے چھ بجے زرقا کو اس کے گھر سے پک کرنے کے بعد وہ سروسز کلب پہنچ گیا تھا۔ زرقا سے اس کی پرانی واقفیت تھی۔ اس کے والد فارن آفس میں ہوتے تھے اور حسن کے والد سے ان کی اچھی خاصی سلام دعا تھی۔ وہ اپنے والدین کے ہمراہ کئی بار راولپنڈی اس کے گھر بھی آچکی تھی۔ لاہور میں پوسٹنگ ہوتے ہی اسی نے سب سے پہلے اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کی کمزوری تھیں۔ خوبصورت، تعلیم یافتہ، بہت ماڈ۔ حسن کی طرح وہ بھی بہت سوشل تھی۔ اس کی طرح سموکنگ اور ڈرنک بھی کرتی تھی اور حسن کی طرح وہ بھی اپنے بوائے فرینڈز بدلتی رہتی تھی۔

''تو بہر حال تم آہی گئے ہو۔'' وہ اور زرقا ڈرنکس لے کر اپنی ٹیبل پر واپس آئے ہی تھے جب اظفر بھی کرسی کھینچ کر آن موجود ہوا تھا۔

''تم جس طرح دھمکاتے ہو، کیا اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ بندہ گھر بیٹھا رہے۔ ہیلو مائے نیم از اظفر۔ کیا میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟''

حسن نے کچھ تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر دونوں کا تعارف کروایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' زرقا نے بڑے سٹائلش انداز میں اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ same here (مجھے بھی) حسن سے اکثر آپ کا ذکر سنا ہے۔ دیکھ کر زیادہ خوشی ہوئی۔'' اظفر نے شوخ انداز میں کہا۔

زرقا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ واضح طور پر اس نے اظفر کے جملے کو انجوائے کیا تھا۔

"Should I take it as a compliment?" (میں اسے اپنی تعریف سمجھوں) اس نے جواباً اظفر سے کہا تھا ''آف کورس'' ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ اظفر نے کہا تھا۔

''تم کیا لو گے؟'' حسن نے فوراً مداخلت کی تھی۔

''وہی جو تم لے رہے ہو شیمپئن۔'' اس نے ایک ہلکی سی سیٹی بجا کر کہا تھا۔

''تم جم خانہ میں نہیں بیٹھے ہو۔ جانتے ہو، یہاں کیا مل سکتا ہے۔ بیئر، برانڈی یا وہسکی مگر تم برانڈی مت لینا۔ تم سوڈا استعمال کرو گے نہیں اور ہمیں ابھی سینما بھی جانا ہے۔ میں نہیں چاہتا مجھے تمہیں اٹھا کر گھر لے جانا پڑے۔'' زرقا نے حسن کی بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

''ایسا بھی ہوتا ہے؟'' اس نے اظفر کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اظفر نے حسن کی بات پر اس کے بازو پر ایک ہلکا سا گھونسہ مارا تھا اور پھر بار کی طرف چلا گیا تھا۔

حسن زرقا سے باتوں میں مصروف ہوگیا۔ اظفر چند منٹوں بعد گلاس ہاتھ میں تھامے واپس لوٹ آیا تھا۔

''حسن! باہر کیوں نہ چلیں۔ یہاں بیٹھنے سے بوریت ہو رہی ہے۔'' اس نے آتے ہی اظفر سے کہا تھا۔

''کیا خیال ہے، باہر چلا جائے؟'' حسن نے زرقا سے پوچھا۔ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"As you wish."

''ٹھیک ہے چلو لان میں بیٹھتے ہیں۔''

حسن نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''تم دونوں چلو میں ایک پیگ اور لے کر آتا ہوں۔''

اس نے زرقا اور اظفر سے کہا تھا۔ وہ دونوں بار روم سے باہر چلے گئے۔ بار سے نیا پیگ لینے کے بعد اس نے کچھ شناسا چہروں سے ہیلو ہائے کی تھی، پھر وہ بار سے باہر آ گیا تھا۔ لان میں تمبولا کھیلا جا رہا تھا۔ قہقہوں اور تالیوں کا شور برپا تھا۔ اس نے لان میں داخل ہونے سے پہلے برآمدے میں کھڑے ہو کر متلاشی نظروں سے اظفر اور زرقا کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں لان کے ایک کونے میں کرسیوں پر براجمان تھے۔ وہ ان کی طرف جانے کے بجائے وہیں کھڑا لان پر طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے بیئر کے سپ لینے لگا۔ پھر اچانک وہ سپ لیتے لیتے رک گیا۔

سفید شیفون کی ساڑھی میں ملبوس کمر تک کھلے سیاہ بالوں والی ایک لڑکی پر اس کی نظر ٹھہر گئی تھی۔ وہ اس کے کچھ فاصلے پر کھڑی تمبولا کا کھیل دیکھتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔ مگر اسے جس چیز نے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ اس کی دلکش مسکراہٹ تھی۔ حسن کوشش کے باوجود بھی اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر وہ بیئر کے سپ لینے لگا۔ زرقا اور اظفر اب دونوں اس کے ذہن سے غائب ہو چکے تھے۔ گلاس خالی کرنے کے بعد اس نے پاس سے گزرتے ہوئے ویٹر کو دیا تھا اور پھر اس لڑکی کی طرف آ گیا تھا۔

''ہیلو!'' اس نے پاس جا کر اس لڑکی کو متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اس کے ہونٹوں سے اب وہ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''میرا نام کیپٹن حسن دانیال ہے۔ کیا آپ سے دو منٹ بات کر سکتا ہوں؟'' اس لڑکی نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑی اس عورت کی طرف نظر دوڑائی جو حسن کو دیکھ رہی تھی۔

''کریں، آپ کو کیا بات کرنی ہے؟'' چند لمحوں بعد اس نے حسن سے کہا تھا۔

''لیکن میں آپ سے یہاں بات نہیں کرنا چاہتا۔ کیا آپ اکیلے میں بات سن سکتی ہیں؟''

''دیکھیں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔'' اس بار اس لڑکی نے کچھ الجھی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے مجھے کبھی دیکھا ہی نہیں۔'' حسن نے بڑے پرسکون انداز میں کہا تھا۔

''تو پھر آپ مجھ سے اکیلے میں کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''اکیلے میں بات کرنے کے لیے کیا جان پہچان کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟'' وہ اس بار مسکرایا، اس لڑکی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، آئیں۔'' وہ یہ کہہ کر آگے چل پڑی۔ وہ اسے لان سے نکال کر برآمدے میں لے آیا۔

''کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' برآمدے کے ایک قدرے سنسان گوشے میں آتے ہی حسن نے اس سے پوچھا۔

''کیا آپ یہ پوچھنے کے لیے یہاں لائے ہیں؟'' وہ اب مکمل طور پر پرسکون ہو چکی تھی۔ حسن دلکش انداز میں مسکرایا۔

''نہیں یہ تو صرف تمہید ہے۔''

''میرا نام سنبل ہے۔ اب آپ بات کریں۔''

''آپ کا نام بھی آپ کی طرح خوبصورت ہے۔'' حسن نے پہلا حربہ استعمال کیا۔

جواب غیر متوقع تھا ''میں جانتی ہوں پھر؟'' وہ اسی پرسکون انداز میں بولی تھی۔

حسن نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ فلم دیکھنے چلیں گی؟''

''جی نہیں۔''

''وجہ جان سکتا ہوں۔''

''مجھے فلموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''تو پھر آپ کو کس چیز میں دلچسپی ہے؟''

''آپ کو یہ بتانا ضروری نہیں ہے'' وہ بڑے مطمئن انداز میں کسی اشتعال کے بغیر اس سے بات کر رہی تھی۔ حسن کچھ دیر تک گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''کیا آپ مجھے اپنا ایڈریس دے سکتی ہیں؟''

''نہیں۔'' جواب ایک بار پھر واضح تھا۔

''آپ یہاں روز آتی ہیں؟'' حسن کی ثابت قدمی اپنے عروج پر تھی۔

''نہیں۔''

''تو پھر دوبارہ یہاں کب آئیں گی؟''

''شاید کبھی نہیں۔'' حسن نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ دیر سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''کوئی اور سوال؟'' اس بار اس لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے میں جا سکتی ہوں۔''

''آف کورس۔'' حسن اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ جانے لگی۔

''لیکن سنیں۔'' وہ اس کی آواز پر ایک لمحے کے لیے مڑی۔

''میں آپ سے دوبارہ بھی ملنا چاہوں گا۔''

حسن مسکرایا۔

پہلی بار اس لڑکی کے ماتھے پر شکن ابھری تھی۔ پھر وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لان میں چلی گئی۔ حسن بھی اس کے پیچھے ہی لان میں چلا گیا۔ اس بار اس کا رخ زرقا اور اظفر کی طرف تھا۔ اظفر اسے رستے میں ہی مل گیا تھا، وہ شاید پہلے ہی اسے بلانے کے لیے آ رہا تھا۔

''کہاں تھے تم یار؟'' اظفر نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''میں ایک پری کے ساتھ تھا۔'' حسن نے شوخ انداز میں کہا تھا ''اور زرقا کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اظفر نے اس سے کہا تھا۔

''مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' حسن نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے بھی دکھاؤ۔ ایسی بھی کیا چیز دیکھ لی ہے تم نے؟'' اظفر نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔

''فی الحال تو نہیں دکھاؤں گا پھر کبھی سہی۔ آؤ ابھی زرقا کے پاس چلیں، وہ گالیاں دے رہی ہوگی۔'' حسن کہہ کر زرقا کی طرف چل پڑا تھا۔ اظفر بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

سروسز کلب سے وہ سیدھا سینما گئے تھے۔ لیکن حسن کی ساری دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے بار بار وہی لڑکی آ رہی تھی۔ وہ زرقا اور اظفر کی باتوں میں بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ ساڑھے دس کے قریب وہ فلم ادھوری چھوڑ کر ہی واپس آ گیا تھا۔ اس نے زرقا کی ناراضگی کی بھی زیادہ پروا نہیں کی تھی۔ جو اس کے اس طرح آنے پر خاصی برہم ہو گئی تھی۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا جب کسی لڑکی میں دلچسپی ختم ہو جاتی تو وہ پھر دوبارہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بس فوراً جان چھڑا لینا چاہتا تھا۔ فریق مخالف پر اس کا کیا اثر ہوتا تھا۔ اس بات کی اس نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔ اس وقت زرقا میں بھی اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی اور وہ اس سے بھی جان چھڑا لینا چاہتا تھا اور زرقا کے لیے یہ سلوک کافی نیا تھا۔ آج سے پہلے وہ اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ ایسا کرتی تھی پہلی بار وہ خود اس صورت حال کا شکار ہوئی تھی۔ اظفر کے اصرار کے باوجود وہ بھی فلم چھوڑ کر آ گئی تھی۔ حسن دانیال کے بارے میں سارے اچھے تاثرات اس رات کے بعد ختم ہو گئے تھے۔ وہ دوبارہ کبھی اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

اس رات وہ ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔ بار بار وہ چہرہ، مسکراہٹ وہ آواز اس کے ذہن میں گونجتی رہی۔ وہ کئی گھنٹوں تک مسلسل اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ عام طور پر وہ لڑکیوں کو دل کے ساتھ ساتھ ذہن سے جھٹکنے میں بھی ماہر تھا۔ لیکن اس رات وہ پہلی بار اس لڑکی کے خیالات سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت دیر سے سویا۔ صبح جاگنے کے بعد ایک بار پھر پہلا خیال اسی لڑکی کا ہی آیا تھا۔

اگلے کئی ہفتوں تک وہ ہر شام سروسز کلب جاتا رہا صرف اس امید میں کہ شاید وہ دوبارہ کبھی وہاں آئے لیکن وہ تو جیسے اپنے کہے پر عمل کر رہی تھی۔ اس ایک شام کے علاوہ وہ دوبارہ اسے وہاں نظر نہیں آئی وہ تھک ہار کر اپنی روٹین پر واپس آ گیا تھا۔ ایک بار پھر اس نے نئے سرے سے گرل فرینڈز کی تلاش شروع کر دی تھی۔ ایک بار پھر سے ڈیٹس کا وہ سلسلہ وہیں سے شروع ہوا تھا جہاں اس نے چھوڑا تھا۔ مگر نئی گرل فرینڈز کے باوجود وہ لڑکی اس کے دماغ سے غائب نہیں ہوئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ چہرہ اس کے دماغ پر پہلے سے زیادہ گہرا نقش چھوڑ رہا تھا۔

❁

ان ہی دنوں وہ دو دن کی چھٹی لے کر اپنے گھر گیا تھا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو اسے پتا چلا کہ میجر جنرل رضوان ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔ انکی ٹانگ میں فریکچر تھا اور وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ وہ ان کے اے ڈی سی کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس لیے اطلاع ملتے ہی سی ایم ایچ ان کی عیادت کے لیے چلا گیا۔ ٹانگ میں فریکچر کے علاوہ میجر جنرل رضوان کو اور کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان کے کمرے میں ان سے

باتیں کر رہا تھا۔ جب بریگیڈیئر ڈاکٹر حسین کمرے میں آئے تھے۔ان کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی تھی اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس چہرے کو پہچان گیا تھا۔اس نے بریگیڈیئر حسین کو سیلوٹ کیا تھا۔

''یہ میرے اے ڈی سی ہیں کیپٹن حسن دانیال' جنرل بابر کریم کے بیٹے ہیں۔'' میجر جنرل رضوان نے اس کا تعارف بریگیڈیئر ڈاکٹر حسین سے کروایا تھا۔

انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

''جنرل بابر کریم کو تو اچھی طرح جانتا ہوں میں ان کی پچھلی پوسٹنگ لاہور میں ہی تھی۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ حسن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ایک دو بار جنرل بابر میرے گھر بھی آئے تھے اپنی فیملی کے ساتھ۔''

''میری پوسٹنگ ان دنوں کھاریاں میں تھی سر۔''

حسن نے بریگیڈیئر حسین کی باتوں کے جواب میں کہا۔

کچھ دیر تک وہ اس کی فیملی کا حال احوال پوچھتے رہے پھر میجر جنرل رضوان کو دیکھنے لگے۔ حسن میجر جنرل رضوان سے اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔لیکن اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔اسے توقع نہیں رہی تھی کہ وہ اس لڑکی کو دوبارہ کبھی دیکھ سکے گا مگر آج وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گئی تھی۔اس شام کے برعکس آج یونیفارم میں ملبوس وہ بہت سوبر لگ رہی تھی۔ کمرے سے باہر آنے کے بعد اس نے واپس جانے کے بجائے ریسپشن پر جا کر اس کے بارے میں مزید معلومات لی تھیں۔ وہ وہیں ہاسٹل میں رہتی تھی اور آج کل اس کی ڈیوٹی میجر جنرل رضوان کے کمرے میں لگی ہوئی تھی۔

وہ اس شام سی ایم ایچ سے واپسی پر بے حد مسرور تھا۔ بغیر وجہ کے وہ سیٹی بجاتا رہا، رات کو پہلی بار کسی لڑکی کے بغیر سینما فلم دیکھنے چلا گیا اور وہاں سے واپسی پر خلاف توقع بہت گہری نیند سویا۔

اگلے دن اس کی شفٹ شروع ہونے سے پہلے سی ایم ایچ پہنچ گیا تھا۔کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے وہ اسکا انتظار کرتا رہا تھا اور پھر وہ اسے نظر آ گئی تھی۔

''ثابت ہوا کہ دنیا گول ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ دل سے نکلنے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے حسن نے کہا تھا۔

وہ چلتے چلتے ٹھٹھک کر رک گئی۔ایک گہری سانس لے کر وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ مت کہیے گا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ہم پہلی بار کہاں ملے تھے۔آپ کو اچھی طرح یاد ہو گا یا پھر میں یاد کراؤں؟'' حسن نے اس کی خاموشی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''یاد کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کمزور یادداشت کی مالک نہیں ہوں۔لیکن فی الحال آپ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' اس نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔

''نہیں، میں وقت ضائع نہیں کیا کرتا۔''

''لیکن اس وقت کر رہے ہیں۔''

''آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہو گا میرا نہیں۔''

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''یہ تو میں آپ کو بہت پہلے بتا چکا ہوں آپ میرے ساتھ فلم دیکھنے چلیں۔''

اور میں نے آپ کو تب یہ بتا دیا تھا کہ مجھے فلموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر آپ میرے ساتھ ڈنر پر چلیں۔'' حسن نے اس کی بات مانتے ہوئے فوراً اپنے مطالبے میں تبدیلی کر دی تھی۔

''بھئی، کیوں آپ کے ساتھ ڈنر پر چلوں؟ میں آپ کو جانتی نہیں ہوں اور آپ منہ اٹھا کر اس طرح میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' وہ اس بار جھنجھلا گئی تھی۔

حسن کا چہرہ کچھ سرخ ہو گیا تھا، ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے اس طرح کسی لڑکی کی منت سماجت کرنی پڑی تھی۔ ورنہ ہمیشہ اس کے ایک بار کہنے پر لڑکیاں اس کی بات مان لیتی تھیں اور اگر کوئی انکار کرتی تو وہ دوبارہ اپنی بات پر اصرار نہ کرتا مگر یہاں مسئلہ ہی کچھ دوسرا ہو چکا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ آج جانا نہیں چاہتیں مگر کسی اور دن تو جا سکتی ہیں؟''

''نہیں، میں کسی دن بھی نہیں جا سکتی۔ میں اس طرح کے کام نہیں کرتی ہوں۔'' وہ اس بار کہہ کر تیزی سے میجر جنرل رضوان کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ حسن کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر وہاں سے واپس آ گیا۔

اسے امید نہیں تھی کہ اس شام کے بعد دوبارہ کبھی اس کی ملاقات اس بندے سے ہو گی۔ اس شام وہ میجر یزدانی کی بیوی کے اصرار پر ان کے ساتھ کلب چلی گئی تھی۔ عالیہ یزدانی ایف ایس سی میں اس کی کلاس فیلو تھی بعد میں اس نے اے ایم سی جوائن کر لیا جبکہ وہ اپنے حالات کی وجہ سے نرسنگ کی لائن میں آ گئی عالیہ کی پوسٹنگ چند ہفتے پہلے ہی لاہور میں ہوئی تھی اور اس شام میجر یزدانی کے آؤٹ آف اسٹیشن ہونے کی وجہ سے اس نے سنبل کو اپنے ساتھ کلب چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ویک اینڈ تھا اس لیے سنبل انکار نہیں کر سکی۔ عالیہ بھی تمبولا کھیلنے والوں میں شامل تھی۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی فنکشن کو انجوائے کر رہی تھی۔ جب ایک آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس کم از کم چھ فٹ لمبا ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ کروکٹ بالوں نے اس کے تیکھے نقوش اور ڈارک براؤن آنکھوں کی خوبصورتی کو اور بڑھا دیا تھا۔ جس بے تکلفی کے ساتھ اس سے مخاطب تھا اس نے سنبل کو قدرے پزل کر دیا تھا۔

وہ کلب میں پہلی بار نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے بھی دو تین فنکشنز میں وہ وہاں آ چکی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہاں کے ماحول کے مطابق حسن کا مطالبہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی بندہ اس طرح بے باکی سے اسے اپنے ساتھ فلم دیکھنے کی آفر کرے یا اس کے حسن کی تعریف کرے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا تھا۔ عالیہ نے واپسی پر اس سے پوچھا تھا کہ حسن اس سے کیا

کہہ رہا تھا لیکن اس نے بہانہ بنا کر ٹال دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسی کوئی بات عالیہ کے ذریعے کسی دوسرے کے علم میں آئے اس شام کے بعد وہ دوبارہ کلب نہیں آئی تھی مگر کئی دن تک اس کے ذہن میں اس ملاقات کا خیال آتا رہا۔

حسن ایسا بندہ نہیں تھا جسے دیکھ کر کوئی لڑکی آسانی سے ذہن سے نکال پاتی اور پھر اگر ایسا بندہ آپ سے اپنے التفات کا اظہار کر رہا ہو تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سنبل کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ کئی دن تک اسے حسن کا خیال آتا رہا اور ہر دفعہ وہ زبردستی اس کے تصور کو ذہن سے جھٹک دیتی۔ وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی، جو بعد میں اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث بنے اور کچھ دن گزر جانے کے بعد وہ واقعی اسے بھلانے میں کامیاب رہی تھی۔ وہ اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

ان ہی دنوں اس کی ڈیوٹی میجر جنرل رضوان کے کمرے میں لگائی گئی تھی۔ اس دن بھی وہ معمول کے مطابق بریگیڈیر ڈاکٹر حسین کے ساتھ میجر جنرل رضوان کے کمرے میں گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے پر اس نے میجر جنرل رضوان کے پاس یونیفارم میں ملبوس کسی کو کھڑے دیکھا۔ دروازے کی طرف اس بندے کی پشت تھی۔ اس لیے اس نے فوری طور پر اس کا چہرہ دیکھا تھا پہلی ہی نظر میں وہ اسے پہچان گئی تھی اور اس نے فوراً اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔ اس کا دل اس وقت جیسے سومیل فی گھنٹہ کی رفتار سے دھڑکنے لگا تھا۔

وہ بریگیڈیر حسین سے باتوں میں مصروف رہا اور وہ وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ لے کر یہ تسلی کرنے میں مصروف رہی کہ اس نے اسے پہچانا تو نہیں ہے مگر اس وقت وہ پوری طرح بریگیڈیر حسین کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ سنبل کو قدرے اطمینان ہوا کہ شاید وہ اسے پہچان نہیں سکا ورنہ اس کی آنکھوں میں تھوڑی بہت شناسائی تو جھلکتی مگر اس کی آنکھوں میں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ یہی اطمینان لیے وہاں رکی رہی۔

اگلے روز دوپہر کو وہ اپنی شفٹ شروع ہونے پر ہاسپٹل آئی تھی۔ وہ میجر جنرل رضوان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ جب اس نے ایک بہت شناسا سا آواز اپنے قریب سنی تھی۔

''ثابت ہوا کہ دنیا گول ہے یہ بھی ثابت ہوا کہ دل سے نکلنے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔''

اس کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی تھی۔ وہ آواز پہچان چکی تھی۔ اس سے چند قدم پیچھے وہی کھڑا تھا۔ اپنی اسی مخصوص مسکراہٹ اور آنکھوں کے ساتھ۔ اس نے ایک بار پھر سنبل سے وہی مطالبہ کیا تھا اور وہ اس کی مستقل مزاجی پر قدرے حیران ہوئی تھی۔ اسے توقع تھی کہ اس شام کے انکار اور بے رخی کے بعد وہ دوبارہ کبھی اس سے اس طرح کا مطالبہ نہیں کر سکتا لیکن اس کی یہ خوش فہمی ہی ثابت ہوئی تھی وہ اپنے اسی مطالبے کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اس سے جان چھڑائی تھی اور اس روز وہ کافی دیر تک میجر جنرل رضوان کے کمرے میں موجود رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کا انتظار کر کے واپس چلا جائے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

کافی دیر بعد وہ جب باہر نکلی تو وہ اسے وہاں نظر نہیں آیا۔ اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وقتی طور پر بلا ٹل گئی تھی۔

وہ ہر روز میجر جنرل رضوان کے پاس آیا کرتا تھا اور ہر روز وہ ان سے ملنے کے بعد اس کے پاس ضرور جایا کرتا تھا۔ وہ ہر روز اس سے ملتے ہی اپنا وہی مطالبہ دہراتا اور سنبل ہر بار انکار کر دیتی۔ یہ سلسلہ کئی روز تک اسی طرح چلتا رہا۔ پھر ایک دن وہ تنگ آ گئی تھی۔

''دیکھیں کیپٹن! میں آپ کو بہت زیادہ برداشت کر چکی ہوں، اب اور نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے اس طرح تنگ کرنا چھوڑ دیں۔''

''میں نے آپ کو تنگ نہیں کیا۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے سنبل کی بات کاٹ دی تھی۔

''تو پھر آخر اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ؟ جب میں ایک بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ فلم دیکھنے جانا ہے نہ کہیں اور تو پھر آپ اس طرح میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، بار بار وہی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''میں جو سمجھ رہی ہوں۔ بالکل ٹھیک سمجھ رہی ہوں اگر آپ اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو میں میجر جنرل رضوان سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔''

سنبل نے اسے دھمکایا تھا مگر اس کا ردعمل اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

''بڑے شوق سے شکایت کریں۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ وہ کیا کر سکتے ہیں آپ جانتی ہیں۔ میں ایک جنرل کا بیٹا ہوں۔ میرے خلاف ایک نرس کی شکایت پر تو کبھی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔ بہر حال آپ اپنا شوق پورا کر لیں۔''

وہ اس کے جملے سے زیادہ اس کے لہجے پر حیران ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار بڑی ترشی سے بات کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی آئی۔ وہ جانتی تھی۔ حسن دانیال نے جو کہا تھا، وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے خلاف واقعی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ خود بھی کسی اسکینڈل میں انوالو نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اسے میجر کا رینک ملے ابھی بہت تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسے کسی اسکینڈل سے اس کا سروس ریکارڈ خراب ہو۔ اس رات اس نے طے کیا تھا کہ وہ جس قدر ہو سکے گا حسن سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

اگلے دن وہ پھر وہاں موجود تھا۔ ''آئی ایم سوری سنبل! میں کل کچھ تلخ ہو گیا تھا۔''

اسے دیکھتے ہی اس نے معذرت کی تھی۔ سنبل کو ایک بار پھر حیرانی ہوئی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ اگلے ہی دن وہ اس سے معذرت کر رہا ہو گا۔ ''نہیں آپ تلخ نہیں تھے۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ایک نرس کے کہنے پر کسی جنرل کے بیٹے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی اور میں آپ کو یہی چیز سمجھانا چاہتی تھی کہ آپ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔ جو چیزیں آپ تفریحاً کرتے ہیں۔ میں انہیں افورڈ نہیں کر سکتی۔''

''میں آپ سے معذرت کر چکا ہوں پھر آپ دوبارہ یہ بات کیوں دہرا رہی ہیں؟''

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ مجھے وہ کام کرنے پر مجبور کیوں کر رہے ہیں جو میں نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کی اور بھی بہت سی فرینڈز ہوں گی، آپ ان میں سے کسی کو ڈنر پر لے جا سکتے ہیں۔''

''ہاں میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن آپ میں اور ان میں بہت فرق ہے۔''

''اور آپ اسی فرق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ مجھے اسی کیٹیگری میں لانا چاہتے ہیں۔''

وہ سنبل کی بات پر لاجواب ہو گیا تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ آپ میرے ساتھ کہیں باہر نہ جائیں لیکن دوستی تو کر سکتی ہیں۔'' اس نے اپنے مطالبے میں اب ترمیم کر دی تھی۔

''نہیں، میں دوستی بھی نہیں کر سکتی۔ آپ براہ مہربانی اس کام کے لیے بھی کسی اور کو تلاش کریں۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے آ گئی تھی۔

جتنے ہفتے میجر جنرل رضوان وہاں تھے۔ وہ بھی وہاں آتا جاتا رہا تھا اور ہر بار وہاں آنے پر وہ اس سے ملے بغیر واپس نہیں جاتا تھا مگر اب اس کے مطالبات کی نوعیت میں تبدیلی آ چکی تھی۔ وہ اس سے دوستی کا خواہاں تھا یا دوسرے لفظوں میں اسے اپنی گرل فرینڈز کی فہرست میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ سنبل اس بات سے اچھی طرح واقف تھی کہ اس جیسے کیپٹنڈ آفیسرز جو اس طرح کی بااثر فیملیز سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے اس طرح کی سرگرمیوں میں انوالو ہونا کوئی نئی بات تھی نہ ہی اسے معیوب سمجھا جاتا تھا مگر خود اس کے لیے اس کے مطالبات ماننا خاصا مشکل کام تھا۔ وہ ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تھی۔ اپنے باپ کی بیماری کی وجہ سے اسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر نرسنگ کی طرف آنا پڑا۔ باپ کی وفات کے بعد سے وہ اپنی فیملی کو سپورٹ کر رہی تھی۔ اپنی دونوں چھوٹی بہنوں کی شادی کی ذمہ داری سے بھی فارغ ہو چکی تھی۔ پچھلے سال اس کے اکلوتے بھائی کو فوج میں کمیشن ملا تھا اور اب اس کی امی اس کے لیے رشتہ کی تلاش میں تھیں اور اس تلاش سے پہلے ہی حسن دانیال اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

جہاں تک حسن دانیال کا تعلق تھا تو سنبل اس کے لیے صرف ایک ایڈونچر تھی۔ لڑکیوں کے بارے میں سیریس ہونا اس کی عادت میں شامل نہیں تھا۔ وہ انہیں صرف وقت گزاری کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا مگر پہلی دفعہ ایک لڑکی پر اسے واقعی محنت کرنی پڑ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی ضد بن گئی تھی۔ اس کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں تھی کہ وہ کسی لڑکی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے اور وہ اس طرح جھٹک دے ایسے بھی نہیں تھا کہ سنبل کے سامنے آنے کے بعد اس نے اپنی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں اور وہ صرف اسی کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ اس کی ساری مصروفیات ابھی بھی پہلے ہی کی طرح جاری تھیں۔ لڑکیوں کے ساتھ ڈیٹس پر جانا بھی اسی طرح جاری تھا۔ ہاں فرق اگر آیا تھا تو یہ کہ وہ ان تمام مصروفیات کے دوران بھی سنبل سے ملنا نہیں بھولتا تھا۔ یہ جیسے اس کے معمولات میں شامل ہو چکا تھا۔ میجر جنرل رضوان کے ہاسپٹل سے فارغ ہونے کے بعد بھی سی ایم ایچ اس کے چکر اسی شدت سے جاری رہے بلکہ ان میں اضافہ ہو گیا اور سنبل کی یہ خوش فہمی ایک بار پھر غلط ثابت ہوئی تھی کہ شاید میجر جنرل رضوان کے چلے جانے کے بعد اس کے ان چکروں سے اسے نجات مل جائے گی۔ اسے جیسے ہر روز اب اس کا چہرہ دیکھنے کی عادت ہو چکی تھی۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر ہاسپٹل آتا پھر کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ ہی جاتا۔ وہ جیسے اس کے تمام معمولات سے باخبر رہتا تھا۔ حتیٰ کہ شفٹس میں ہونے والی تبدیلیوں سے بھی لیکن ابھی تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی اور اس کی ضد نے حسن کے جنون کو کم کرنے کے بجائے اور بڑھا دیا تھا۔ اس سے دوستی اب جیسے اس کی انا کا مسئلہ ہو چکا تھا۔

اس سہ پہر وہ اپنی شفٹ ختم کر کے سی ایم ایچ سے نکل رہی تھی۔ جب ایک بار پھر اس کا سامنا حسن سے ہوا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔ تنگ نہیں آتے ہو اس طرح بار بار یہاں آ کر۔''

"Winners never quit , quitters never win"

ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ اس نے کہا تھا وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''ویسے بھی اگر آپ آگے بڑھنے پر تیار نہیں ہیں تو میں پیچھے کیوں ہٹوں۔'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔''

''وہ تب ہوگا' جب میں آپ سے ملنا چھوڑ دوں گا'' وہ بلا کا حاضر جواب تھا۔

''تم آخر میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟'' وہ تنگ آ چکی تھی۔

''آپ آخر مجھ سے دوستی کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''نہیں۔ دوستی نہیں ہو سکتی۔''

''ٹھیک ہے دوستی نہیں ہو سکتی۔ شادی تو ہو سکتی ہے پھر آپ مجھ سے شادی کر لیں۔''

وہ اس کی بات پر جیسے ہکا بکا ہو گئی تھی۔ وہ اس کے بعد زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔

''میری بات پر غور کیجئے گا۔ میں کل جواب لینے آؤں گا۔'' وہ چلا گیا تھا

سنبل اس رات سو نہیں سکی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ کئی ماہ سے حسن کا پیچھا کرنا' پہلے ڈیٹ پر اصرار پھر دوستی کا مطالبہ اور اب یہ شادی کا پرپوزل۔ وہ اسے ایک مکمل احمق لگ رہا تھا۔ مگر احمقوں میں ایسی مستقل مزاجی قابل حیرت تھی۔

❁

اگلے دن وہ ایک بار پھر اس کے مقابل تھا۔

''میرا خیال ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کچھ چیزوں پر بات کریں۔ تم باہر لان میں چلو۔ میں وہیں پر آتی ہوں۔''

آج اس نے حسن کو دیکھتے ہی بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔ وہ آفس سے کچھ وقت کی رخصت لے کر باہر آ گئی۔

وہ لان میں چہل قدمی میں مصروف تھا۔ اسے آتا دیکھ کر رک گیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

''آپ نے میرے پرپوزل پر غور کیا؟'' اس نے بینچ پر بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ قابل غور تھا ہی نہیں۔''

وہ کچھ کہنے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''مجھے بات کرنے دو۔ تمہاری عمر کتنی ہوگی۔ چوبیس پچیس سال اور میری عمر بتیس سال ہے۔ تم سے سات آٹھ سال بڑی ہوں۔''

اس نے سنبل کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ ''اس سے کیا ہوتا ہے اور یہ میرے لئے کوئی سرپرائز نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں آپ میچور ہیں اور اس لحاظ سے آپ کو تیس میں ہی ہونا چاہیے۔ مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''ابھی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ سالوں بعد پڑے گا جب تک تیس میں آؤ گے اور میں چالیس سے اوپر کی ہو جاؤں گی۔ آدمی کیلئے نہ سہی مگر چالیس کے بعد عورت کیلئے بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے' تب تم پچھتاؤ گے۔''

''میں نہیں پچھتاؤں گا۔ آپ اب بتیس کی ہیں لیکن بتیس کی نہیں لگتیں تب بھی چالیس کی نہیں لگیں گی اور مجھے آپ کی عمر سے فرق نہیں پڑتا۔''

''میں لگتی نہیں ہوں یہ اور بات ہے لیکن نہ لگنے سے عمر میں کمی نہیں آتی۔ آج تمہیں میں بتیس کی نہیں لگتی ہوں۔ کل لگنے لگوں گی۔''

''میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ مجھے عمر سے فرق نہیں پڑتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔''

''پہلے مجھے تمہارے احمق ہونے کا شک تھا۔ اب یقین ہو گیا ہے کہ تم عقل سے پیدل ہو۔ تمہارا اور میرا کوئی جوڑ ہی نہیں نہ ہم عمر۔''

''عمر کی بات نہ کریں اگر آپ کو کوئی اور اعتراض ہے تو وہ بتائیں۔'' حسن نے اس بار پھر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''ٹھیک ہے عمر کی بات نہیں کرتی۔ تم میں اور مجھ میں اور بھی بہت سے فرق ہیں۔ تم ایک جنرل کے بیٹے ہو اور میرا باپ فوج میں ایک بیٹ مین تھا۔ تم جس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ ہماری سات پشتیں بھی اس کی برابری نہیں کر سکتیں۔'' وہ اسے بڑے ٹھنڈے انداز میں سمجھا رہی تھی۔

''سات پشتوں کا انتظار کیوں ہے آپ کو؟ مجھ سے شادی کر کے آپ میرے خاندان کا ایک حصہ بن سکتی ہیں۔''

وہ اس کی بات پر ایک بار پھر خاموش ہو گئی تھی۔

''سنبل! ایک بات تو طے ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور مجھے شادی بھی آپ سے ہی کرنی ہے۔ آج نہیں تو کل سہی۔ کل نہیں تو پرسوں۔ کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور آئے گا۔ جب آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔ مجھ میں انتظار کرنے کا حوصلہ ہے۔ آپ کو یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ میں مستقل مزاج ہوں' جو چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں وہ میں حاصل کر کے ہی رہتا ہوں چاہے آپ ایسی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں۔ میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔ بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں پھر انہیں بدلتا ہوں نہ ان میں ترمیم کرتا ہوں۔ آپ کی دلیل بھی میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ مجھے صرف آپ سے شادی کرنی ہے۔''

وہ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ پہلی بار کسی میچور مرد کی طرح بات کر رہا تھا۔ بڑے پرسکون انداز میں۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی بس خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی۔

اگلے دن ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل نہیں آیا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ پورا دن وہ لاشعوری طور پر اس کا انتظار کرتی رہی اور شام کو جب وہ واپس ہاسپٹل گئی تھی تو اس پر ایک عجیب سی بے چینی طاری تھی۔ ''آخر اس کے نہ آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'' بار بار اس کے ذہن میں

ایک ہی سوال آ رہا تھا۔

دوسرے روز بھی وہ ہاسپٹل نہیں آیا تھا اور سنبل کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ جیسے اس کے وجود کی عادی ہو چکی تھی۔ اب وہ چہرہ نہ دیکھنا وہ آواز نہ سننا اس کیلئے کس قدر تکلیف دہ ہو سکتا تھا یہ اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔

''اچھا ہے وہ نہ آئے میری جان تو چھوٹ جائے گی' دوبارہ پہلے جیسی ٹینشن تو نہیں ہوگی۔'' اس نے جیسے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی ور پھر وہ سارا دن خود کو ایسی ہی تسلیوں سے بہلاتی رہی رات کو سونے سے پہلے جو آخری چہرہ اس کے تصور میں آیا تھا۔ وہ حسن دانیال کا چہرہ تھا۔

پھر وہ ایک ہفتہ تک نہیں آیا تھا اور چوتھے دن ہی وہ اپنے آپ سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ وہ بھی حسن کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے اور یہ اعتراف بے حد تکلیف دہ تھا۔ ایک ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہونا جو آپ سے سات آٹھ سال چھوٹا ہو اور جس کا حصول آپ کے لئے ناممکن ہو' بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے' خاص طور پر تب جب آپ نے اس محبت سے بچنے کیلئے اپنی پوری کوشش کی ہو۔ وہ پورا ہفتہ جیسے ایک شاک کے عالم میں رہی تھی۔ ہر چہرے پر اسے حسن دانیال کے چہرے کا گمان ہوتا تھا۔ ہر آواز اسے چونکا دیتی تھی۔

....

''ہیلو سنبل کیسی ہیں؟'' آٹھویں دن شام کو ہاسپٹل سے نکلتے ہوئے اس نے اپنے عقب میں وہ آواز سن لی تھی۔ اس کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ بعض آوازیں بھی جسم میں جان ڈال دیتی ہیں' وہ رک گئی تھی۔ حسن اس کے سامنے آ گیا۔ پہلی دفعہ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے چہرے پر نظر ڈال سکے۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا۔ وہ اس کے سینے پر لگے ہوئے نام کو پڑھتی رہی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' وہ سوال ایک بار پھر دہرایا گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''کبھی تو میرے بارے میں بھی پوچھا کریں کہ میں کیسا ہوں۔'' وہ اس کا چہرہ نہ دیکھنے کے باوجود جانتی تھی کہ وہ مسکرا رہا ہوگا۔

''مجھ سے پوچھیں گی نہیں کہ میں ایک ہفتہ کہاں رہا؟ آپ کے پاس کیوں نہیں آیا؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے جانا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا تھا۔

''سنبل! آپ پتھر نہیں ہو سکتیں۔ پتھر میں بھی دراڑ آ جاتی ہے آپ تو۔''

''مجھے جانا ہے۔ آپ سامنے سے ہٹ جائیں۔'' اس نے حسن کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''آپ نے میرے بارے میں کیا سوچا؟'' وہ اب بھی راستہ روکے کھڑا تھا۔

سنبل نے چلنا شروع کر دیا۔

''میری بات کا جواب دیئے بغیر آپ کیسے جا سکتی ہیں؟'' وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

''آپ جانتی ہیں۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں پھر آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیسے کر سکتی ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''آپ نے کبھی کسی کو مرتے دیکھا ہے۔ ضرور دیکھا ہوگا۔ آپ نرس ہیں۔ آپ کے سامنے بہت سے بیمار اور زخمی لوگ مرے ہوں گے مگر کسی تندرست آدمی کو اپنے ہی ہاتھوں مرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ اب آپ حسن دانیال کو مرتے دیکھیے گا۔''

اسے جیسے ٹھوکر لگی تھی۔ حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا اور وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب بہت واضح ہے۔ میں آپ کی وجہ سے خودکشی کرلوں گا۔'' اس کا لہجہ بہت سرد تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''تم یہ کیسے کرسکتے ہو؟''

''کیوں نہیں کرسکتا آپ مجھے قتل کرسکتی ہیں۔ میں خودکشی نہیں کرسکتا؟''

''میں نے تمہیں کب قتل......''

''جو آپ کررہی ہیں' وہ قتل سے کم نہیں ہے۔ میں نے کوئی گناہ تو نہیں کیا' مجھے آپ سے محبت ہے۔ اس لئے میں نے آپ کو شادی کی آفر کی۔ اس میں غلط چیز کیا ہے؟ آپ دوستی نہیں کرسکتیں' شادی تو کرسکتی ہیں۔''

وہ ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ سنبل نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کی گرفت اور سخت ہوگئی۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔''

''پہلے آپ مجھے میری بات کا جواب دیں۔''

''میں سوچوں گی' اب تم ہاتھ چھوڑو۔''

''کتنا وقت چاہیے آپ کو؟ ایک دن' دو دن' دس دن۔ آپ یہ بتائیں؟'' اس نے ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''دس دن۔''

حسن نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''ٹھیک ہے اب میں دس دن بعد آؤں گا گڈ بائے۔''

وہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''اوہ خدایا اب کیا پھر میں اسے دس دن تک نہیں دیکھوں گی۔'' اس نے ہاسٹل کی طرف جاتے ہوئے سوچا تھا۔

......❁......

''کیا تمہارے ماں باپ اس شادی پر رضامند ہوجائیں گے؟'' دسویں دن وہ پھر آگیا تھا سنبل نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''کبھی نہیں۔'' اس نے بڑے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''تو پھر یہ پرپوزل دینے کا کیا مطلب ہے؟''

''شادی مجھے کرنا ہے میرے ماں باپ کو نہیں۔ میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہوں شادی کرسکتا ہوں اور گھر بھی چلاسکتا ہوں اور جب ایک

بار شادی ہو جائے گی تو کچھ عرصہ کے بعد وہ یہ شادی قبول کر لیں گے۔''

''اس طرح تو میں شادی نہیں کر سکتی۔ تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میرے گھر والے اس طرح کا رشتہ کبھی قبول نہیں کریں گے۔''

''دیکھو سنبل! میرے بھائی نے بھی اسی طرح اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ کچھ عرصہ تک ممی اور پاپا ناراض رہے پھر بعد میں انہوں نے اس شادی کو قبول کر لیا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ میچور آدمی ہوں تمہیں میری بات پر اعتبار کرنا چاہیے۔''

وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''مگر میرے گھر والے کبھی اس رشتہ پر رضا مند نہیں ہوں گے۔''

''تم ان سے بات تو کرو۔ اگر وہ رضامند ہو گئے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم دونوں ان کی مرضی کے بغیر شادی کر لیں گے۔'' وہ حسن کے جواب پر حیران ہوئی تھی۔ وہ بہت مطمئن تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔''

''میرے بغیر رہ سکتی ہو؟'' اس نے سنبل کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''رہ سکتی ہوں۔'' اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

''اچھا!'' حسن نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔ ''ایک بار پھر سوچنا کیا واقعی میرے بغیر رہ لوگی۔ میرا خیال ہے' نہیں تم یہ بات مانو یا نہ مانو' بہر حال تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اتنی محبت نہ سہی جتنی میں کرتا ہوں مگر محبت ضرور کرتی ہو۔''

اس نے تھکے ہوئے انداز میں سر جھکا لیا تھا۔

''اپنے گھر والوں سے بات کرو۔ ہو سکتا ہے وہ مان جائیں ورنہ شادی تو ان کی مرضی کے بغیر بھی ہو ہی سکتی ہے۔'' وہ چلا گیا تھا۔

''واقعی میں اس شخص کے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔ مگر جو یہ کہہ رہا ہے وہ......'' وہ بہت دیر تک اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

حسن کو کچھ دن ضرور لگے مگر پھر وہ مکمل طور پر اس کی گرفت میں آچکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی برین واشنگ کرتا رہا مگر عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ وہ آہستہ آہستہ خود بھی اس کی محبت میں گرفتار ہوتا گیا تھا مگر جب تک اسے اس بات کا احساس ہوا' تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اب وہ چاہتا بھی تو اس حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتا تھا کہ وہ سنبل سے محبت کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ اس کے ماں باپ کبھی اس رشتہ پر تیار نہیں ہوں گے۔ خاص طور پر اس کے والد جو سلوک اس کے ساتھ کرتے۔ وہ اس سے خائف تھا۔ مگر وہ پھر بھی سنبل سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اپنے والدین کو بتائے بغیر شادی کرے گا۔

سنبل کو اس نے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں بات کرے۔ سنبل نے جھجکتے ہوئے اپنی ماں سے اس رشتے کے بارے میں بات کی تھی اور ان کا ردعمل اس کی توقع کے مطابق تھا۔ انہوں نے ایسے رشتہ سے صاف انکار کر دیا تھا۔ جس میں لڑکا نہ صرف اس سے کم عمر تھا بلکہ وہ اپنے والدین کو بتائے بغیر شادی کرنا چاہتا تھا۔ سنبل نے اپنی ماں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اس کی بات سننے پر تیار ہی نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ایسے لڑکے سے شادی کر کے کنویں میں چھلانگ لگانا چاہتی ہے اور یہ نہ صرف ان کا خیال تھا بلکہ اس کے بھائی' بہنوئی اور بہنوں کی بھی رائے تھی۔ وہ کسی طرح اس رشتہ کے بارے میں بات کرنے پر تیار نہیں تھے۔ سنبل نے گھر سے واپسی پر حسن کو اپنے گھر والوں کے ردعمل سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ یہ سب سن کر جیسے بھڑک اٹھا تھا۔

''تمہارے گھر والے فضول اعتراض کر رہے ہیں۔ زندگی ہم نے گزارنی ہے انہوں نے نہیں پھر اس طرح کی باتیں کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ مجھے لگتا ہے سنبل! تم نے انہیں منانے کی کوشش ہی نہیں کی۔'' وہ اس کی بات پر ناراض ہو گئی تھی۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے کوشش ہی نہیں کی۔ اگر مجھے کوشش نہ کرنا ہوتی تو میں اپنے گھر والوں کے سامنے تمہارا ذکر ہی کیوں کرتی۔ خوامخواہ ان کی نظروں میں بری کیوں بنتی۔ مگر میرا خیال ہے' وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہارے گھر والوں کی مرضی۔''

''سنبل! دوبارہ میرے گھر والوں کا ذکر مت کرنا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں تمہیں شادی مجھ سے کرنی ہے' میرے گھر والوں سے نہیں مگر شاید تم کیپٹن حسن دانیال سے شادی کرنا نہیں چاہتیں جنرل بابر کریم کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہو اور میرا خیال ہے' تمہارے گھر والے بھی مجھ سے نہیں جنرل بابر کریم کے خاندان سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا اور اسے حسن کی بات پر بہت تکلیف پہنچی تھی۔

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو حسن؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی۔ میری ضرورت ہوتی تو تم اپنے گھر والوں کے یہ اعتراضات میرے سامنے پیش نہ کرتیں۔ انہیں سمجھاتیں۔ انہیں قائل کرتیں۔ دنیا میں گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کرنے والا میں واحد آدمی نہیں ہوں اور بھی بہت سے ہیں اور بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے سنبل کہ تمہارے گھر والے تمہاری شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ساری زندگی تم انہیں سپورٹ کرتی رہو۔ آفٹر آل سونے کی چڑیا کو ہاتھ سے کون جانے دیتا ہے۔''

سنبل اس کی بات پر شاکڈ رہ گئی تھی۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے ایسی بات کرتے ہوئے۔''

''تمہارے گھر والوں کو ایسا کام کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔'' اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''میرے گھر والے ایسے نہیں ہیں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

''ایسے نہیں ہیں تو تمہاری بات کیوں نہیں مانتے انہیں پروا ہونی چاہیے تمہاری تم نے اپنی زندگی کا بہترین وقت ان کے لیے قربان کر دیا ہے اور وہ تمہاری ایک چھوٹی سی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔''

''حسن! میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔ دوبارہ تمہیں اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گا۔'' وہ غصے کے عالم میں وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ ساری رات روتی رہی۔

وہ اگلے کئی دن نہیں آیا تھا۔ تھک ہار کر اس نے خود ہی اسے فون کیا تھا اور وہ جیسے اسی بات کا منتظر تھا۔ سنبل کو اسے کچھ کہنے یا منانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔

........✿........

''امی! آپ میری بات مان کیوں نہیں لیتیں؟'' وہ ایک بار پھر اپنے گھر والوں کو منانے کے لیے ملتان آئی تھی۔

''میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔ تم حماقت کرنا چاہتی ہو اور میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گی۔''

''امی آپ فضول ضد کر رہی ہیں میں حسن کے ساتھ بہت خوش رہوں گی۔ یہ میں جانتی ہوں۔ آپ میری خوشی کیوں نہیں چاہتیں؟''

''آپی! آپ اس شخص کو نہیں جانتیں۔ میں نے اس کے بارے میں پتا کروایا ہے وہ اول نمبر کا فلرٹ ہے۔ اس کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے وہ آپ کو خوش نہیں رکھ سکتا۔'' اس کے چھوٹے بھائی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کی بات پر جیسے بھڑک اٹھی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا تھا اس کے بارے میں پتا کروانے کو میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں اور مجھے معلومات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اچھا ہے یا بُرا شادی مجھے اس کے ساتھ ہی کرنی ہے۔''

''تم جانتی ہو۔ وہ عمر میں تم سے کتنا چھوٹا ہے۔''

''جانتی ہوں مگر اگر اسے اس کی پروا نہیں ہے تو پھر مجھے بھی نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔

''تم دونوں کو اس کی پروا ہو یا نہ ہو دنیا کو ہے۔''

''ہمیں دنیا کے ساتھ نہیں رہنا۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے۔'' ''مگر رہنا تو اسی دنیا میں ہے نا؟''

''امی! یہ اعتراضات مت کریں۔ میں نے اپنی پوری جوانی آپ لوگوں کی زندگیاں بنانے میں لگا دی ہے آپ کی خواہشات پوری کرنے میں ختم کر دی ہے اور جب میری زندگی کی باری آئی ہے تو آپ لوگ اعتراض کر رہے ہیں مجھے دنیا کی پروا کرنے کو کہہ رہے ہیں میں نے تو دنیا کی پروا نہیں کی تھی۔ جب اپنے سے چھوٹی بہنوں کی شادی کر دی تھی۔ پھر آپ کو دنیا کیوں یاد آ گئی ہے؟''

''تم اپنی زندگی برباد کرنے کی خواہش کر رہی ہو۔ اس لیے اعتراض کر رہی ہوں۔ جانتی ہوں تم نے بہت قربانی دی ہے۔ بہت ایثار کیا ہے۔ اسی لیے چاہتی ہوں کہ تمہاری باقی زندگی اچھی گزرے تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ مگر یہ بندہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔ اس کے ساتھ میں تمہاری شادی نہیں کر سکتی۔''

''امی! آپ میری شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں۔ آپ کیوں چاہیں گی کہ آمدنی کا ایک ذریعہ بند ہو جائے۔''

اس کی امی کو شاک لگا تھا اور سنبل لاشعوری طور پر حسن کی باتیں دہرا رہی تھی۔ اس کا بھائی ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ چاہتی ہیں ساری زندگی میں اسی طرح کما کما کر آپ کو روپے بھیجتی رہوں اور آپ اپنی دوسری اولادوں پر خرچ کرتی رہیں۔

میری زندگی برباد کر کے آپ کو کیا ملے گا؟''

اس کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مگر وہ بولتی جا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے آپ جہاں چاہیں گی۔ آپ کی شادی وہیں ہوگی۔ مگر ایک دفعہ جب آپ کی شادی اس آدمی کے ساتھ ہو جائے تو آپ یہاں دوبارہ آنے کی زحمت نہ کیجیے گا نہ ہی ہم سے دوبارہ ملیے گا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے ہم پر بہت احسانات ہیں اور میں اتنا کمینہ نہیں ہوں کہ ساری عمر آپ کے احسانات سر پر لیے پھرتا رہوں گا۔ ہم آپ کے لیے پہلے ہی رشتہ تلاش کر رہے تھے اور وہ اس شخص سے بہت بہتر ہوتا جو آپ نے تلاش کیا ہے۔ بہر حال آپ طے کر لیجیے۔ آپ کو کب شادی کرنا ہے۔ میں سارے انتظامات کر دوں گا۔''

اس کے بھائی نے جیسے منٹوں میں فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کسی شرمندگی اور پچھتاوے کے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے اب اپنے اور حسن دانیال کے درمیان کوئی دیوار نظر نہیں آ رہی تھی۔

❁

دو ہفتے کے بعد بڑی سادگی سے ملتان میں ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔ حسن بارات میں اپنے چند دوستوں کو لایا تھا اور اس کی طرف سے بھی صرف اس کے گھر والے شادی میں شریک تھے۔ شادی کی تمام رسومات بڑے بجھے دل سے ادا کی گئی تھیں۔ اس کے بھائی نے رخصتی کے موقع پر اسے پچاس ہزار کا چیک دیا تھا۔

''پتا نہیں یہ روپے اس نے کس طرح اکٹھے کیے ہوں گے۔'' اسے خیال آیا تھا۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

''میں اس گھر میں آنا بھی نہیں چاہتی۔ میرے لیے حسن کافی ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔

دو دن تک وہ ملتان کے ایک ہوٹل میں رہے تھے پھر حسن اسے لے کر کشمیر چلا آیا تھا۔ وہ دونوں ایک ہفتہ تک وہاں رہے تھے اور اس پورے عرصہ کے دوران سنبل کو ایک بار بھی اپنے فیصلے پر پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ حسن کے ہر انداز میں اس کے لیے التفات تھا ستائش تھی دیوانگی تھی اور وہ جیسے زمین پر نہیں آسمان پر رقصاں رہتی تھی۔

''وہ میرے لیے کیا تلاش کرتے؟ کیا یہ محبت ڈھونڈ سکتے تھے؟ کیا حسن دانیال تلاش کر سکتے تھے؟'' اسے اپنے بھائی کی بات یاد آتی اور وہ سوچتی۔

ایک ہفتہ کے دوران انہوں نے اپنے مستقبل کو بھی پلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

''میں ابھی اس شادی کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں۔ کم از کم چند مہینے۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دوں گا۔ تم واپس جا کر یہ مت بتانا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہوئی ہے۔ تم کہہ دینا کہ تمہارے شوہر باہر چلے گئے ہیں۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''اور اگر کسی نے شادی کی تصویریں دیکھنا چاہیں تو؟''

''تم کہہ سکتی ہو کہ شادی کی تصویریں نہیں بنائی گئیں۔ شادی بہت سادگی سے ہوئی تھی اور تمہارے سسرال والے تصویریں بنوانا پسند نہیں کرتے۔''

''اور اگر کسی نے کہا کہ شوہر کی کوئی تو تصویر ہوگی وہ میں لادوں گا اگر کوئی اصرار کرے تو تم وہ دکھا سکتی ہو۔'' اس نے سب کچھ جیسے پہلے ہی طے کر رکھا تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد وہ دونوں واپس لاہور آ گئے تھے۔ اپنی آمد کے دوسرے دن اس نے ایک بار پھر ہاسپٹل جوائن کر لیا تھا۔ اپنی کولیگز کو اس نے اسی طرح ٹالا تھا جس طرح حسن نے اسے سمجھایا تھا۔ حسن اب ہر روز ہاسپٹل نہیں آتا تھا مگر اسے فون ضرور کیا کرتا تھا ہر ویک اینڈ وہ دونوں اکٹھے گزارتے تھے اور حسن ہمیشہ اسے کینٹ ایریا سے باہر تفریح کے لیے لے کر جاتا تھا۔ وہ شادی کے بعد بہت محتاط ہو چکا تھا۔ وہ ہر اس جگہ اس کے ساتھ جانے سے گریز کرتا تھا جہاں کسی جاننے والے کے ملنے کا امکان ہوتا۔ اور سنبل اس معاملہ میں اس کی پوری مدد کرتی تھی۔

چند ماہ بعد اسے پتا چلا تھا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ وہ بہت خوش تھی مگر حسن کو یہ خبر سن کر جیسے شاک لگا تھا۔

''تم جانتی ہو سنبل! ہم ابھی کوئی بچہ افورڈ نہیں کر سکتے اور پھر بھی تم نے۔'' وہ بے حد غصے میں تھا۔

''افورڈ کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ جس طرح ہم رہ رہے ہیں وہ بچہ بھی رہ لے گا۔'' وہ اس کے لہجے پر حیران تھی۔

''لیکن تمہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ ہماری شادی کو ابھی صرف تین ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو ہم ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکے اور تم ایک نیا رشتہ چاہتی ہو۔ تم احمق ہو۔'' وہ ابھی بھی اس طرح مشتعل تھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی ''لیکن اب ہو کیا سکتا ہے؟''

''ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے، تم ابارشن کروا لو۔'' وہ اسے شاک کے عالم میں دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تم کیا کہہ رہے ہو حسن؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے ابھی کسی بچے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ابارشن کروا لو''

''کیا یہ آسان کام ہے؟''

''ہاں کم از کم تمہارے لیے بہت آسان ہے۔ آفٹر آل تم نرس ہو، تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

وہ اسے بے یقینی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار اسے اپنی امی کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''میں یہ نہیں کر سکتی حسن! چاہے کچھ ہو جائے۔ میں یہ نہیں کروں گی۔ تم نے کہا تھا۔ تم دو تین ماہ بعد اپنے والدین کو اس شادی کے بارے میں بتا دو گے پھر ہم اکٹھے رہنا شروع کر دیں گے۔ تم اپنے والدین کو کیوں نہیں بتا رہے ہے۔''

''میں انہیں بتا دوں گا۔ میں کوئی جلد بازی کرنا نہیں چاہتا لیکن تم میری بات کے بارے میں دوبارہ سوچو، ابھی ہمیں کسی بچے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اور میری مشکلات میں مزید اضافہ مت کرو۔''

''مجھے تمہاری بات کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا۔ میں کہہ چکی ہوں میں ابارشن نہیں کرواؤں گی۔ یہ بچہ میرے یا تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرے گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

وہ کچھ دیر تیز نظروں سے اسے گھورتا رہا۔ ''تم بہت ضدی ہو سنبل! مجھے ضدی عورتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' یہ اس کی طرف سے ناپسندیدگی کا پہلا اظہار تھا۔

''میں ضدی نہ ہوتی تو آج تمہاری بیوی بھی نہ ہوتی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''آؤ تمہیں ہاسٹل چھوڑ دوں۔'' وہ مزید کچھ کہے بغیر بینچ سے اٹھ گیا تھا۔ اس شام پہلی دفعہ وہ پورا راستہ خاموش رہا تھا۔ ہونٹ بھینچے وہ تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا سنبل بجھے دل سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ چند دن خفا رہا تھا سنبل نے اسے دو تین بار فون کیا پھر وہ دوبارہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے ابارشن کے بارے میں دوبارہ بات نہیں کی تھی مگر وہ بچے کے ذکر میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اس کے لیے جیسے اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ اب پہلے کی طرح سنبل سے اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کرتا تھا نہ ہی اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا تھا۔ وہ بس کچھ دیر کیلئے آتا پھر اپنی کسی مصروفیت کے بارے میں بتا کر چلا جاتا۔

ڈلیوری سے دو ماہ پہلے سنبل نے کرائے پر ایک چھوٹا سا گھر لے لیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ حسن اب اسے زیادہ وقت دے۔ اس کی ضد پر حسن روز وہاں آیا کرتا تھا مگر وہ خوش نہیں تھا۔ کسی نہ کسی بات پر ان کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ ہر بار سنبل ہی اسے منایا کرتی تھی وہ جانتی تھی اس کے پاس اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ایک پرائیویٹ کلینک میں سنبل کے ہاں جڑواں بچیوں کی پیدائش ہوئی تھی۔ حسن تب اس کے پاس ہی تھا۔ اس کا ردعمل بالکل نارمل تھا۔ وہ نہ خوش تھا نہ ناراض۔ اس نے بچیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد گھر آنے پر سنبل نے اسے بچیوں کے نام رکھنے کے لیے کہا تھا مگر اس نے یہ کام بھی اسی پر چھوڑ دیا تھا۔

شادی کے بعد سے وہ ایسے جھٹکوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے اس شاک کو بھی بہت صبر سے برداشت کیا تھا۔ اس نے خود ہی دونوں بچیوں کے نام رکھ دیے تھے۔ جب وہ دونوں دو ماہ کی ہو گئیں تو اس نے ایک بار پھر ہاسپٹل جانا شروع کر دیا۔ گھر میں اس نے بچیوں کے لیے ایک عورت رکھ لی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں ان دونوں کو سنبھالتی تھی۔

❁

''السلام علیکم پاپا! کیسے ہیں آپ؟'' اس دن شام کو میس آتے ہی اس کے والد کا فون آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کل راولپنڈی آ جاؤ۔'' ان کا لہجہ حسن کو بہت عجیب لگا تھا۔

''کیا بات ہے پاپا! خیریت تو ہے؟'' وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

''ہاں خیریت ہے۔ تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے' کل صبح لاہور سے روانہ ہو جاؤ۔''

''لیکن پاپا! اس طرح اچانک چھٹی ملنا تو مشکل ہے۔''

''وہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے۔ میں بات کر چکا ہوں تمہیں چھٹی مل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے' میں آجاؤں گا۔''

''خدا حافظ۔'' اس کے والد نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ پہلی بار وہ اس طرح بلا رہے تھے۔

''آخر ایسی کیا بات ہے جس کے لیے مجھے اس طرح بلایا جا رہا ہے؟'' وہ ساری رات اسی شش و پنج میں رہا تھا۔

دوسری صبح سنبل کو مطلع کرنے کے بعد وہ راولپنڈی روانہ ہو گیا تھا۔ شام کو جب راولپنڈی پہنچا تو اس کے پاپا اس وقت تک گھر نہیں پہنچے تھے۔ اس کی ممی بھی کسی فنکشن میں گئی ہوئی تھیں۔ وہ ان کا انتظار کرتا رہا۔ رات کے کھانے سے کچھ دیر پہلے اس کی امی گھر آ گئی تھیں۔ حسن کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''پتا نہیں پاپا نے کسی کام کے لیے بلوایا ہے۔'' اس نے ماں کے استفسار پر بتایا تھا۔

''تمہارے پاپا بھی بس کمال کرتے ہیں۔ انہیں تو بس آرڈرز دینے کی عادت پڑ گئی ہے' پتا نہیں اب تمہیں کس لیے اتنے شارٹ نوٹس پر بلوایا ہے۔''

اس کی ممی نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔ رات کا کھانا ابھی میز پر لگ رہا تھا جب جنرل بابر کریم گھر آ گئے تھے۔ حسن سے وہ جس طرح ملے تھے۔ اس انداز نے اسے مزید تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''کھانا بعد میں بھی کھایا جا سکتا ہے۔ تم اس وقت میری اسٹڈی میں آجاؤ۔'' انہوں نے اوپر جاتے ہوئے اسے ہدایت دی تھی۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے اوپر آ گیا۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ بابر کریم اسٹڈی ٹیبل کے دوسری طرف کتابوں کے شیلف کے پاس چلے گئے تھے۔

''لاہور میں کیسا وقت گزر رہا ہے؟'' اسے ان کا لہجہ ایک بار پھر عجیب لگا تھا۔

''اچھا گزر رہا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ ''صرف اچھا؟''

''بہت اچھا گزر رہا ہے۔'' اس کی بے چینی اب بڑھ گئی تھی۔

''کیا سرگرمیاں ہیں وہاں تمہاری؟''

''وہی جو یہاں تھیں۔''

وہ کچھ دیر تک اس کے چہرے پر غور سے دیکھتے رہے تھے۔ ''یہ سنبل کون ہے؟''

اسے جیسے کرنٹ لگا تھا' چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا پھر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی ''سنبل دوست ہے ایک۔''

''صرف دوست؟''

''ہاں' کلب چلے جاتے ہیں یا فلم دیکھنے اکٹھے چلے جاتے ہیں۔'' اس نے لاپروائی سے کہنے کی کوشش کی۔

''بس یا کچھ اور بھی۔'' وہ اب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

''اور کیا ہو سکتا ہے؟'' اس نے ایک بار پھر لاپروا نظر آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے ایک فائل نکال کر اس کے آگے پھینک دی۔

''اسے کھولو اور اس میں موجود کاغذات کو دیکھو۔'' انہوں نے سرد آواز میں کہا تھا۔

وہ چند لمحوں تک سامنے پڑی فائل کو دیکھتا رہا پھر اس نے ہمت کر کے اسے کھول لیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ سنبل اور اس کا نکاح نامہ اس کے سامنے موجود تھا۔ فائل میں کچھ دوسرے کاغذات بھی موجود تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ لرزتے ہاتھوں سے انہیں دیکھنا شروع کیا۔ پچھلے سال میں مختلف مواقع پر لی جانے والی چھٹیوں کی درخواستیں اس کے سامنے موجود تھیں اور اس میں رابیل اور جویریہ کے برتھ سرٹیفکیٹ بھی تھے۔ جس کلینک میں ان کی پیدائش ہوئی تھی وہاں کا ایک سرٹیفکیٹ بھی تھا جس پر اس نے باپ کو حیثیت سے سائن کیے ہوئے تھے۔ اس نے فائل بند کر کے میز پر رکھ دی۔ اتنی ہمت اس میں نہیں رہی تھی کہ وہ اب باپ کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکتا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟ تم کیا کرتے ہو' مجھے کچھ خبر نہیں؟ تم نے سوچا' باپ راولپنڈی میں ہے تم لاہور میں ہو' جو چاہو کر لو گے۔ مجھے کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔''

اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کس سے ملتے رہے ہو؟ کہاں جاتے ہو کیا کرتے ہو؟ یہ سب میرے علم میں تھا۔ لیکن صرف اس لڑکی کے بارے میں مجھے پتا نہیں چل سکا اور جب پتا چلا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو اس سارے معاملے کے بارے میں کوئی تازہ جھوٹ کوئی نیا بہانہ کوئی بے کار جواز؟''

ان کی آواز اب تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اب بھی خاموش تھا۔

''میں نے تمہیں کبھی لڑکیوں سے دوستی سے نہیں روکا لیکن اس دوستی کو صرف دوستی تک ہی رہنا چاہیے تھا۔ تم نے کیا سوچ کر اس سے شادی کی تھی۔ ہمارے خاندان میں آج تک کبھی کسی نے ایسی حرکت نہیں کی اور تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو کیا چیز ہو تم؟ اس خاندان کا نام الگ کر دو تو اوقات کیا ہے تمہاری؟ چند ہزار تنخواہ پانے والا ایک معمولی کیپٹن؟''

اب بابر کریم کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اس پر چلا رہے تھے اور اس کی رگوں میں جیسے خون منجمد ہو رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس پر تیز چلاتے رہے پھر خاموش ہو گئے تھے۔ گلاس میں جگ سے پانی ڈال کر انہوں نے پانی پیا پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح فق چہرے کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے کچھ اور کاغذات نکال کر اس کے سامنے پھینک دیے تھے۔ اس نے ایک نظر ان پر ڈالی وہ طلاق کے کاغذات تھے۔

''ان کاغذات پر سائن کردو۔''

کمرے میں بابر کریم کی سرد آواز گونجی تھی۔ اس نے پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''لیکن پاپا! ان بچیوں کا کیا......؟'' اس نے ہمت کر کے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ جنرل بابر کریم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ اس لڑکی کا مسئلہ ہے' تم ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔ اس نے تمہیں ٹریپ کر کے اس خاندان میں آنے کی کوشش کی ہے۔ اسے کچھ تو سزا ملنی چاہیے'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔

''مگر پاپا! پھر بھی میں ان بچیوں۔''

''مجھے تمہاری اگر مگر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم کیا چاہتے ہو؟ ان بچیوں کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہو اور ایسا کرنے کے بعد تم سے شادی کون کرے گا۔ دو بچیوں کے باپ سے۔ کون سا اچھا خاندان تمہیں اپنی بیٹی دے گا۔ یہ سوچا ہے تم نے؟ مگر تم سوچنے کے قابل ہی کہاں ہو۔ تم پر تو عشق و عاشقی کا بھوت سوار ہے نا؟ اولاد پالنا چاہتے ہو تو یہ کر ہی نہیں سکتے ہو۔ اس لئے انہیں رہنے دو۔ ان کی ماں ان کا کچھ نہ کچھ کر لے گی۔ تم ان پیپرز پر سائن کرو یا پھر یہ گھر چھوڑ دو۔ تمہارے پاس اور کوئی چوائس نہیں ہے۔''

حسن نے ایک نظر ان کو دیکھا اور پھر رائٹنگ ٹیبل سے پین اٹھا کر خاموشی سے ان کاغذات پر دستخط کر دیئے۔

''اب تم دوبارہ کبھی اس عورت سے نہیں ملو گے۔ کیپ اٹ ان یور مائنڈ اینڈ گیٹ لوسٹ۔ ایڈیٹ۔''

اس نے اپنے باپ کو کہتے سنا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اسٹڈی روم کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

....

حسن کے راولپنڈی جانے کے دوسرے دن وہ معمول کے مطابق ہاسپٹل آئی تھی جب اچانک اسے آفس طلب کیا گیا تھا اور وہاں ایک explanation letter اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ explanation letter پا کر جتنی پریشان ہوئی تھی' اسے پڑھ کر اس سے زیادہ پریشان ہوئی تھی۔ اس کے خلاف کچھ سنگین قسم کے الزامات لگائے گئے تھے اور اسے ایک ہفتہ کے اندر اپنی صفائی دینے کے لئے کہا گیا تھا۔ ایسا نہ کرنے کی صورت اسے لیٹر آف تھینکس دے دیا جاتا جس کا مطلب ملازمت سے مکمل طور پر علیحدگی ہوتا اور پینشن اور اپنے دوسرے واجبات کی اہل بھی نہ ٹھہرتی۔

وہ پریشانی کے عالم میں گھر آئی تھی۔ حسن کی چھٹی دو دن کی تھی اسے اگلے دن واپس آنا تھا۔ اس سے بات کیے بغیر وہ اگلا کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اگلے دن وہ جب ہاسپٹل سے واپس گھر پہنچی تو اسے پتا چلا کہ حسن گھر آیا تھا اور اپنی چیزیں پیک کر کے لے گیا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے فون کیا تھا مگر اس کا نام پوچھنے کے بعد آپریٹر نے کہا کہ حسن دانیال وہاں نہیں ہیں۔ وہ کہیں گئے ہیں رات کو دیر سے واپس آئیں گے۔ اس نے آپریٹر سے کہا تھا کہ وہ حسن دانیال کو کہے کہ سنبل نے فون کیا تھا وہ ان سے ملنا چاہتی تھی۔

اگلا دن بھی اسی طرح گزر گیا تھا۔ حسن کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ وہ جان گئی تھی' وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار اس کی اس اچانک ناراضگی کا سبب کیا تھا۔ اگلے روز وہ صبح میس میں چلی گئی تھی۔ ریسپشن پر اس نے اپنا تعارف کروا کر حسن سے ملنے کا مطالبہ کیا تھا۔

''آپ بیٹھیں، وہ کچھ دیر میں آتے ہیں۔''

آپریٹر نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد سنبل سے کہا تھا۔ وہ وزیٹر روم میں بیٹھ گئی۔

دس منٹ بعد وہ یونیفارم میں ملبوس اس کے سامنے تھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے سنبل کو ہولا دیا تھا۔ وہ حسن دانیال نہیں تھا کوئی اور تھا' اس کے چہرے پر پہچان یا شناسائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

''میں تم سے آج آخری بار مل رہا ہوں اور میں اس کے بعد دوبارہ کبھی تم سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں ڈائی ورس (طلاق) دے چکا ہوں۔ چند دنوں تک پیپرز تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ سنبل کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسے کھائی میں دھکیل دیا ہو۔

''تم کیا کہہ رہے ہو حسن! تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

''میں یہ کر چکا ہوں اور اب میں دوبارہ تم سے ملنا نہیں چاہتا۔'' اس نے ایک بار پھر کہا تھا۔

''تم نے رابیل اور جویریہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تم ان کے باپ ہو۔'' کوئی چیز اس کی آنکھوں سے بہنے لگی تھی۔

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے ان کے بارے میں سوچا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا' مجھے بچوں کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ تمہاری ضد تھی۔ تم انہیں رکھ سکتی ہو۔'' وہ بے حد پر سکون تھا۔

''حسن! تم مجھے اور اپنی بیٹیوں کو اس طرح کیسے چھوڑ سکتے ہو؟''

''میں تم لوگوں کو چھوڑ چکا ہوں۔ تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔'' وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔ مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں مجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میں معذور ہو جاؤں گا۔ آگے نہیں جا سکوں گا۔ اس لئے میں نے تم لوگوں کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تم سے محبت نہیں تھی۔ وہ ایک وقتی جنون تھا۔ اینی وے۔ میں امید کرتا ہوں۔ تم دوبارہ مجھے تنگ نہیں کرو گی۔''

سنبل نے اس بار اسے روکنے یا کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا پھر کیپ پہن کر وزیٹرز روم سے باہر نکل گیا۔ اس کے آنسو تھم چکے تھے۔ بہت دیر تک وہ بے حس و حرکت وزیٹر روم میں بیٹھی رہی۔ پھر باہر نکل آئی۔

صبح آٹھ بجے دنیا اتنی تاریک لگ رہی تھی کہ اس کیلئے راستہ ڈھونڈنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ تین دفعہ وہ غلط رستے پر مڑ گئی۔ پھر چلتے چلتے وہ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی تھی۔

''وہ سب ایک غلطی تھا۔ مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔''

اس کے کانوں میں بار بار ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

''مجھ سے شادی ایک غلطی تھی۔ رابیل اور جویریہ ایک غلطی تھی اور کیا کچھ غلط تھا' یہ تم نے مجھے نہیں بتایا حسن دانیال۔'' وہ سڑک پر آتی جاتی اکا دکا ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اس شخص کو نہیں جانتیں وہ تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکتا۔ وہ آوارہ ہے' اس کی کوئی ریپوٹیشن نہیں ہے۔'' اس کے کانوں میں اپنے بھائی کی آواز گونج رہی تھی۔ آگے اسے کیا کرنا تھا۔ وہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

گھر آنے پر ایک اور خبر اس کی منتظر تھی۔ ''ایک آدمی آیا تھا۔ یہ چٹ دے گیا ہے' کہہ رہا تھا۔ حسن صاحب کے والد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کل صبح دس بجے اس پتے پر آ جائیں۔''

بچیوں کو سنبھالنے والی عورت نے اس کے آتے ہی اسے ایک چٹ دی تھی اس نے غائب دماغی کے عالم میں اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کینٹ کے ہی ایک بنگلے کا ایڈریس تھا۔

''اب اور کیا باقی رہ گیا ہے؟'' اس نے سوچا تھا۔ آج اس نے روز کی طرح آ کر ان دونوں کو پیار نہیں کیا تھا۔ وہ بے بی کاٹ کے پاس آ کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں سو رہی تھیں۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے ان کے بارے میں سوچا ہے۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مجھے بچوں کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ تمہاری ضد تھی۔ تم انہیں رکھ سکتی ہو۔''

''باجی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' آیا نے اندر آ کر اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''پانی لاؤں آپ کے لئے؟'' آیا تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''نہیں بس دروازہ بند کر دو۔ میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی اٹھے تو تم اسے آ کر لے جانا۔''

وہ تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

اگلے دن وہ دس بجے اس بنگلے پر پہنچ گئی۔ ملازم نے اسے برآمدے میں بٹھایا تھا اور پھر کچھ دیر بعد آ کر اندر لے گیا۔ وہ اندر ڈرائنگ روم میں گئی تھی۔

''میں جنرل بابر کریم ہوں حسن دانیال کا باپ' بیٹھو۔'' صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر اپنا تعارف کروایا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سب سے پہلے تو تم ان کاغذات کو دیکھ لو۔ حسن نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔'' انہوں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھے ہوئے کچھ کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ وہ انہیں ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کر سکی۔ ''تمہارا حق مہر ساٹھ ہزار روپے طے کیا گیا تھا۔ حسن ساٹھ ہزار دینے کے قابل نہیں ہے۔ میں دے سکتا ہوں لیکن دوں گا نہیں کیونکہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ معاملہ تو کلیئر ہو گیا۔ تمہیں یہاں میں نے کچھ دوسرے معاملات طے کرنے کیلئے بھی بلایا ہے۔ پہلی بات یہ کہ تمہارے خلاف جو انکوائری ہو رہی ہے' وہ میرے کہنے پر شروع کی گئی ہے۔''

وہ پلکیں جھپکے بغیر انہیں دیکھتی رہی۔

''اگر تم یہ چاہتی ہو کہ یہ انکوائری ختم ہو جائے تو اس کے بدلے میں تمہیں میری کچھ شرائط ماننی پڑیں گی۔ سب سے پہلی بات یہ کہ آج کے

بعد تم کبھی کسی سے یہ نہیں کہو گی کہ حسن کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی تھی یا تم اسے جانتی ہو۔ دوسری بات یہ کہ تم اپنی بچیوں کے ناموں کے ساتھ حسن کا نام کبھی استعمال نہیں کرو گی۔''

وہ اس کا ردعمل دیکھنے کیلئے رک گئے تھے۔

''میں ایسا ضرور کروں گی۔ مجھے انکوائری کی پروا نہیں ہے' جاب سے نکال دیا جاتا ہے تو بھی کوئی بات نہیں' لیکن میں اب یہ سب کو بتاؤں گی کہ آپ کے بیٹے نے اور آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ آپ حسن کو مکھن سے بال کی طرح نہیں نکال سکتے' میں سب کو بتاؤں گی کہ وہ میری بیٹیوں کا باپ ہے۔ میں کورٹ میں جاؤں گی۔''

وہ بڑے پرسکون انداز میں اسے دیکھتے رہے تھے' یوں جیسے اس کا یہ ردعمل ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔

''That`s good میں نے بھی اسی خطرے کے پیش نظر تمہیں یہاں بلوایا تھا۔ تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ حسن سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' وہ ان کی بات پر کچھ مشتعل ہو گئی تھی۔

''میرے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے۔'' اس نے کہا تھا۔

''نہیں ہے' حسن تمہارے گھر سے آتے ہوئے وہ کاپی' شادی کی تصاویر اور ایسے کاغذات لے آیا تھا جس سے تم دونوں کی شادی کا پتا چل سکتا ہے۔''

وہ سن ہو گئی تھی۔

''جس آدمی نے تمہارا نکاح پڑھایا تھا۔ اس کے پاس بھی تمہاری شادی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی تم اسے ڈھونڈ بھی نہیں سکتیں۔ جس کلینک میں تمہاری بیٹیوں کی پیدائش ہوئی تھی' وہاں سے بھی ریکارڈ غائب ہو چکا ہے اور ان کے برتھ سرٹیفکیٹ بھی میں منگوا چکا ہوں۔ تمہیں وہاں بھی ان کی پیدائش کو دوبارہ رجسٹر کروانا پڑے گا۔ ان سب چیزوں کے بغیر تم کیسے ثابت کرو گی کہ حسن سے تمہاری شادی ہوئی تھی اور وہ تمہاری بیٹیوں کا باپ ہے۔ کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ بہرحال تم ایسا کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو۔ تمہارے خلاف تو انکوائری ہو ہی رہی ہے۔ اس کے نتیجے کا تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔ ہاں' تمہارا ایک بھائی بھی تو ہے۔ عمر جعفر نام ہے نا اس کا؟ لیفٹیننٹ عمر جعفر' بہاولپور میں ہوتا ہے' بلوچ رجمنٹ یونٹ نمبر۔''

وہ روانی سے اس کے بھائی کے تمام کوائف بتاتے گئے تھے۔

''تم کیا چاہتی ہو' اس کے خلاف بھی کوئی انکوائری شروع ہو جائے؟''

وہ پہلی بار صحیح معنوں میں خوفزدہ ہوئی تھی۔ اسے اپنا وجود کسی آکٹوپس کے شکنجے میں لگ رہا تھا۔

''تم طے کرو' کیا چاہتی ہو۔ اپنی بچیوں کیلئے حسن دانیال کا نام جو تمہیں مل نہیں سکتا یا پھر اپنے اور اپنے بھائی کے کیریئر کا تحفظ جو تمہیں مل سکتا ہے۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''مجھے سوچنے کیلئے وقت چاہیے۔'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی لگی تھی۔

''دس منٹ دیتا ہوں۔ سوچ لو۔'' سامنے بیٹھا ہوا شخص رحم نام کے ہر جذبے سے عاری تھا۔

''تو کیا میں اپنی بیٹیوں کو ان کے باپ کے نام کے بغیر پالوں گی؟ اور اگر یہ نہ کروں تو کیا اپنے بھائی کا کیریئر تباہ کر دوں جس کیلئے میں نے چودہ سال محنت کی تھی اور اب جب وہ۔ تو کیا میں اس کے پیروں کے نیچے سے بھی زمین کھینچ لوں۔ مگر رابیل اور جویریہ کا کیا قصور ہے۔ وہ کیوں باپ کے نام کے بغیر رہیں۔ حسن کا نام نہیں تو انہیں اور کس کا نام دوں اور جاب کا کیا ہوگا؟ جاب سے نکالی جاؤں گی تو کہاں جاؤں گی۔ کیا کروں گی۔''

''اس شادی پر ہمیں اعتراض اس لئے ہے کیونکہ تم اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو۔''

''آپی! آپ اس آدمی کو نہیں جانتیں۔ یہ آپ کو خوار کر دے گا۔ یہ گھر بسانے والا بندہ نہیں ہے۔''

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے اس کے بارے میں سوچا ہے۔ تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔''

اس کے دماغ میں آوازوں کا ایک ہجوم تھا۔ بہت سے چہرے بار بار اس کے سامنے آ رہے تھے۔ عمر کا چہرہ' امی کا' رابیل اور جویریہ کا' حسن کا' بابر کریم اور اس کا اپنا چہرہ' سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں بے پناہ طاقت تھی۔ وہ جانتی تھی' وہ جو کہہ رہا ہے' وہ کروا سکتا ہے اور اسے ایک راستہ چننا تھا۔ آٹھ منٹ بعد اس نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں بچیوں کو حسن کا نام نہیں دوں گی' میں اس سارے معاملے کے بارے میں کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اپنی بیٹیوں کو بھی نہیں۔''

وہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے طلاق کے کاغذات اٹھانے چاہے۔

''یہ تمہارے لئے نہیں ہیں۔''

اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اسے حسن کی کار گیراج میں نظر آئی تھی۔

''تو وہ بھی یہاں تھا اور پھر بھی۔'' وہ گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔ ''حسن سے شادی میری غلطی تھی۔ سزا بھی مجھے بھگتنا چاہیے۔ میرے گھر والوں کو نہیں۔ رابیل اور جویریہ کو نہیں۔ ان میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور میرا تھا۔ میں نے اعتبار کیا تھا۔ میں نے ضد کی تھی۔ فریب میں' میں آئی تھی۔ میں چہرے نہیں پہچان سکی تھی۔ میں نے اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھے تھے۔ میں نے گھر والوں کو غلط سمجھا تھا جھوٹا سمجھا تھا اور میری سزا یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی خوابوں کے بغیر گزاروں۔ ٹھوکریں کھا کر' خالی دل کے ساتھ۔''

وہ سڑک پر چلتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔

دو ہفتوں کے بعد اس کے خلاف انکوائری کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔ اس پر بہت سے الزامات صحیح پائے گئے تھے اور ان کی بناء پر اسے ڈی موٹ کر دیا گیا تھا مگر اس کی طویل سروس اور اچھی کارکردگی کی وجہ سے اسے ملازمت سے نکالا نہیں گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر میجر سے کیپٹن بن گئی تھی۔

چند ہفتوں بعد اس کی ٹرانسفر کراچی کردی گئی تھی۔

.......۞.......

''ممی! آخر اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو؟'' حسن ویک اینڈ پر راولپنڈی آیا ہوا تھا۔

''جلدی مجھے نہیں ہے۔ تمہارے پاپا کو ہے۔ تم اس سلسلے میں ان سے بات کرو'' حسن ماں کی بات پر خاموش ہو گیا تھا۔ ''ویسے بھی تمہارے پاپا تمہیں پانچ چھ ماہ تو دے ہی رہے ہیں اور یہ کافی وقت ہے تم سوچ لو اور اپنی پسند ہمیں بتادو ورنہ پھر میں تمہیں کچھ لڑکیاں دکھا دوں گی۔'' اس کی ممی اپنا منصوبہ بتاتی جا رہی تھیں۔

''شادی کب تک کرنا چاہتے ہیں آپ لوگ؟'' اس نے ماں سے پوچھا تھا۔

''وہ تو تم پر ہے' تم کب کرنا چاہتے ہو' ویسے تمہارے پاپا چاہتے ہیں پہلے تمہاری انگیجمنٹ کردیں پھر چند ماہ بعد تمہاری شادی کردیں گے۔''

''یعنی اسی سال کے اندر اندر آپ میری آزادی ختم کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے اپنی ممی سے کہا تھا۔

''تمہارے پاپا کی شادی تیئس سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ تمہیں تو بہت چھوٹ دی ہے' تمہاری شادی تو تقریباً چھبیس سال کی عمر میں ہو گی۔ اتنے سال کی آزادی کافی نہیں ہے؟'' اس کی ممی کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ لوگوں کی مرضی! میں چند ماہ تک آپ کو اپنی پسند بتا دوں گا۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''اب پلیز چائے منگوا دیں۔ میں واقعی بہت تھکا ہوا ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ چہرے پر بے حد اطمینان تھا۔

.......۞.......

اس نے چینل بدلنا چاہا تھا۔

''ماما! رہنے دیں یہیں پر۔'' رابیل چائے کا مگ لے کر اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ''اوہ یہ تو بریگیڈئر حسن دانیال ہیں۔'' وہ جویریہ کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔

سنبل نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تھی۔

''تم جانتی ہو انہیں؟'' بہت مدھم آواز میں اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں' ان کو تو نہیں جانتی۔ ان کی وائف کو جانتی ہوں۔ راولپنڈی میں پوسٹنگ ہے ان کی۔ عنبرین نام ہے ان کی مسز کا۔ اکثر آتی ہیں سی ایم ایچ۔ بہت خوبصورت ہیں۔'' رابیل ٹی وی پر نظریں جمائے تفصیلات بتا رہی تھی۔

''خود بھی تو بڑے ہینڈسم ہیں۔ بہت زبردست کپل ہوگا۔'' جویریہ کہہ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر بالکونی کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ فضا میں خاصی خنکی تھی۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ گھر کے اندر اور باہر جلنے والی لائٹس اس تاریکی کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ گرل پر ہاتھ جما کر نیچے سڑک کو دیکھنے لگی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے آج چوبیس سال بعد پہلی بار حسن کو دوبارہ

دیکھا تھا۔ پچھلے چوبیس سال میں وہ کئی بار اسے دیکھتی رہی۔

وہ شروع میں کچھ عرصہ وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرتا رہا تھا اور تب وہ اسے اکثر ٹی وی پر نظر آتا۔ پھر کئی بار اخبار میں بھی اس کا چہرہ نظر آتا رہتا۔ ہاں آج عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ اس نے رابیل اور جویریہ کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وہ ان کا باپ تھا۔ پچھلے چوبیس سال ایک مرتبہ پھر کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کی اسکرین پر ابھرنے لگے تھے۔ چوبیس سال میں کتنے دن' کتنی راتیں' کتنے گھنٹے' کتنے منٹ ہوتے ہوں گے' اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی پھر جلد ہی ہار مان لی۔ وہ گن نہیں پا رہی تھی۔

رابیل اور جویریہ ایک جیسی نہیں تھیں ان دونوں کی شکل ایک دوسرے سے خاصی مختلف تھی اور عادات بھی۔ رابیل حسن سے بے حد مشابہ تھی حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی حسن کی طرح گہری براؤن تھیں۔ حسن سے مشابہت جویریہ کے چہرے میں بھی جھلکتی تھی مگر رابیل جتنی نہیں۔ رابیل میں بہت بولڈنیس تھی۔ جویریہ اس کے برعکس تھی۔ اس کا مزاج دھیما تھا' وہ بات کرنے کے بجائے سننا زیادہ پسند کرتی تھی۔ رابیل اس پر مکمل طور پر حاوی تھی۔ بعض دفعہ رابیل کو دیکھ کر سنبل کو حسن کا خیال آ جاتا تھا۔ اس کے انداز بالکل حسن جیسے تھے اور تب سنبل کو بے تحاشا خوف آتا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہتی تھی کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔ وہ رابیل کی نہیں حسن کی آنکھیں تھیں۔ خوبصورت' دلکش' گہری۔ وہ رابیل سے بات کرتے کرتے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیتی۔

کئی سال تک اس نے بہت ٹھوکریں کھائی تھیں۔ اس کے پاس آمدنی کے ذرائع محدود تھے اور اخراجات بہت زیادہ۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتی تھی کہ وہ دونوں اس کے بھائی کی بیٹیاں ہیں۔ اس نے انہیں گود لیا ہے۔ انہیں اس نے باپ کے طور پر عمر کا نام دے دیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بڑی ہونے لگیں اور اس کے مسائل میں کمی آتی گئی۔ پڑھائی میں وہ دونوں ہی اچھی تھیں۔ اس معاملے میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ جویریہ رابیل سے پڑھائی میں بہت اچھی تھی' ایف ایس سی میں بھی اس نے پوزیشن لی تھی اور وہ AMC جوائن کرنے کے بجائے کنگ ایڈورڈ میں جانا چاہتی تھی مگر سنبل نے اسے اے ایم سی پر جانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ مالی طور پر اتنی مستحکم نہیں تھی کہ کنگ ایڈورڈ کے اخراجات برداشت کر سکتی۔ رابیل نے پہلے ہی اے ایم سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اس نے اس معاملے میں ماں پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ وہ ویسے بھی آرمی میں ہی رہنا چاہتی تھی۔

ان دونوں کو بھی یہ پتا تھا کہ سنبل نے ان کے ماں باپ کی وفات کے بعد انہیں گود لیا ہے اور وہ ان کی پھوپھو ہے ماں نہیں۔ لیکن اس چیز نے زیادہ فرق نہیں ڈالا تھا۔ ان کے نزدیک وہ ہی سب کچھ تھی' پھوپھو بھی' ماں بھی' باپ بھی۔

❁

''نہیں' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی بخار ہے۔ ایک دو دن میں اتر جائے گا۔'' اس نے چیک اپ کے بعد اپنے سامنے بیٹھے جوڑے سے کہا تھا۔ ''کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟'' اس نے بچی سے پوچھا تھا۔

''عائشہ!'' اس نے جویریہ کو بتایا۔

''اور فادر کا نام؟'' اس بار جویریہ نے اپنے سامنے بیٹھے آدمی سے پوچھا تھا۔

''لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر!'' وہ نسخہ لکھتے ہوئے کچھ مسکرائی تھی۔

''میرے فادر کا نام بھی عمر جعفر تھا۔''

سامنے بیٹھے ہوئے میاں بیوی بھی مسکرائے تھے۔ ''اب زندہ نہیں ہیں کیا؟'' اس آدمی نے پوچھا تھا۔

''نہیں' بچپن میں ہی میرے والدین کی وفات ہوگئی تھی' ہمیں ہماری پھوپھو نے پالا ہے۔'' اس نے بتایا تھا۔

''وہ آرمی سے منسلک ہیں؟'' لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے پوچھا تھا۔

''وہ نرس تھیں' آرمی میڈیکل کور سے ہی منسلک تھیں۔ اب تو ریٹائر ہو چکی ہیں۔''

''کیا نام ہے ان کا؟''

''سنبل جعفر۔''

لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔

''یہ سیرپ اور ٹیبلٹس آپ لے لیں۔ ڈوز کس ترتیب سے لینا ہے۔ یہ میں نے لکھ دیا ہے اگر دو دن تک بخار نہ اترے تو آپ اسے پھر چیک اپ کیلئے لے آئیں' ویسے انشاء اللہ تعالیٰ دو دن تک بخار اتر جائے گا۔'' جویریہ نے نسخہ عمر جعفر کی طرف بڑھا دیا تھا۔

انہوں نے کاغذ ہاتھ میں تھام لیا ''آپ کی پھوپھو ملتان سے تعلق رکھتی ہیں؟'' عمر جعفر کے لہجے میں بے چینی تھی۔

''پتا نہیں' یہ کبھی میں نے پوچھا نہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شاید ان کی پیدائش وہیں کی ہے۔ ہو سکتا ہے ان کا خاندان بھی وہیں سے تعلق رکھتا ہو کیونکہ کافی اچھی سرائیکی آتی ہے ان کو۔'' جویریہ نے اسٹیتھوسکوپ اتارتے ہوئے کہا تھا۔

''یہاں کھاریاں میں ہی ہوتی ہیں؟''

''نہیں' وہ لاہور میں رہتی ہیں۔ یہاں پر تو میری پوسٹنگ ہے۔ ویسے آتی جاتی رہتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں انہیں؟'' جویریہ نے اچانک بات کرتے کرتے ان سے پوچھا تھا۔

''شاید۔ آپ مجھے ان کی کوئی تصویر دکھا سکتی ہیں؟'' وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

''ہاں ضرور' لیکن اس وقت تو ان کی کوئی تصویر نہیں ہے میرے پاس جب آپ دوبارہ آئیں گے تب دیکھ لیجئے گا۔''

''کیا آپ کل مجھے ان کی تصویر دکھا سکتی ہیں؟''

''ٹھیک ہے آپ کل دیکھ لیجئے گا۔'' جویریہ اب حیران نظر آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔

اگلے دن ہاسپٹل آنے پر اس نے انہیں اپنا منتظر پایا۔ وہ ان کی بے تابی پر مزید حیران ہوئی تھی۔ اپنے بیگ سے اس نے سنبل کی تصویر نکال کر ان کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ انہوں نے صرف ایک نظر اس تصویر پر ڈالی تھی پھر اسے واپس تھما دیا۔

''اب آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' ان کے چہرے پر اب سکون تھا۔

''لیکن آپ ملنا کیوں چاہتے ہیں؟'' جویریہ اب بے چین ہو چکی تھی۔

''آپ کی پھوپھو میری بہن ہیں۔ بڑی بہن اور میں ہی عمر جعفر ہوں۔ جس کا نام انہوں نے آپ کے نام کے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ لیکن میں آپ کا باپ نہیں ہوں۔''

جویریہ کے سر پر جیسے آسمان گر پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کچھ بول نہیں سکی۔ وہیں کھڑے کھڑے چند جملوں میں لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے سنبل کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی۔

''میں نہیں جانتی جو آپ کہہ رہے ہیں' وہ سچ ہے یا جھوٹ لیکن میں ابھی آپ کو ان کا ایڈریس نہیں دے سکتی۔ مجھے ان سے بات کر لینے دیں۔''

وہ بڑی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ عمر جعفر اس کے پیچھے نہیں آئے تھے۔ اس دن وہ کوئی کام بھی ٹھیک سے نہیں کر پائی تھی۔ ہر چیز غلط ہو رہی تھی۔ شام کو اس نے راولپنڈی رابیل کو فون کیا تھا اور اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

''میں پرسوں لاہور جا رہی ہوں۔ بہتر ہے' تم بھی آ جاؤ۔'' اس نے رابیل سے کہا تھا۔ دوسری طرف سے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

سنبل اسے اچانک دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ ''کیا بات ہے جویریہ؟ تم دونوں آخر اس طرح اچانک کیوں آ گئی ہو؟ تھوڑی دیر پہلے رابیل آئی ہے۔ وہ تب سے کمرہ بند کر کے بیٹھی ہے اور اب تم۔ آخر ہوا کیا ہے؟''

سنبل اب کچھ پریشان ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے نظریں چرا لیں۔ کچھ کہے بغیر وہ اندر چلی آئی اپنا ٹریول بیگ اتار کر اس نے لاؤنج میں رکھ دیا۔ سنبل اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔

''تم اس طرح چپ کیوں ہو جویریہ؟ آخر پتا تو چلے ہوا کیا ہے؟''

اس نے سنبل کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اسے یاد آ رہا تھا وہ دونوں اسے عظیم سمجھتی تھیں' ان کے نزدیک وہ دیوی تھی۔ ان کا خیال تھا۔ سنبل نے ان دونوں کی خاطر ساری عمر شادی نہیں کی اور لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے کہا تھا ''وہ شادی کرنا چاہتی تھیں اپنے سے سات آٹھ سال چھوٹے کسی کیپٹن سے اس کے گھر والوں کی مرضی کے بغیر اور پھر ہمارے نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے اسی سے شادی کی اس کے بعد ہم لوگوں نے ان سے میل جول ختم کر دیا۔''

''کیا بات ہے جویریہ؟ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟''

جویریہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ ''آپ نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟'' اس نے بلند آواز میں سنبل سے پوچھا تھا۔

وہ اس پر دھک سے رہ گئی۔ ''کون سا جھوٹ؟''

''آپ جانتی ہیں' آپ نے کیا جھوٹ بولا ہے۔''

سنبل کا سانس رکنے لگا تھا۔ رابیل اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''عمر جعفر ہمارا باپ نہیں ہے۔'' جویریہ کا لہجہ تلخ تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' اسے اپنا وجود کسی کھائی میں گرتا ہوا لگا۔

''عمر جعفر نے' آپ کے بھائی نے۔'' اس کے دل کی دھڑکن رک گئی تھی۔ اس نے جویریہ کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ بہت آہستگی سے وہ لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ گردن جھکائے وہ بے حس و حرکت کسی مجرم کی طرح بیٹھی رہی۔

جویریہ کو یک دم اس پر ترس آیا ''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

سنبل نے رابیل کو کہتے سنا ''ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے جویریہ! پہلے انہیں بتانے دو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ اتنا بڑا فراڈ کیوں کیا ہے؟''

جویریہ اس کے پاس نہیں آئی تھی۔

''اپنے سے کم عمر مرد' خاندان کی مرضی کے بغیر شادی' گھر والوں سے بغاوت' طلاق' اولاد کی باپ کے نام کے بغیر پرورش۔ جدوجہد' قربانی' ٹھوکریں' اولاد کا کیریئر۔'' میں انہیں کیا کیا بتاؤں گی۔ کیا کیا چھپاؤں گی اور میں' میں چوبیس سال بعد بھی وہیں کھڑی ہوں کٹہرے میں' خطاوار' گنہگار مگر ٹھیک ہے میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں نے غلطی کی تھی۔ مجھے اس سزا کو بھی قبول کرنا چاہیے۔'' اس نے سوچا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں نے تم لوگوں سے جھوٹ بولا تھا۔ فراڈ کیا تھا۔ مجھے تم لوگوں کو سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ تمہیں فریب میں نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ مگر میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں تم لوگوں کو بچانا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی تم دونوں......''

''اتنی لمبی چوڑی وضاحتیں پیش مت کریں۔ صرف سچ بولیں۔ وہ جو آپ نے آج تک نہیں بولا۔''

سنبل نے سر اٹھا کر رابیل کو دیکھا تھا۔ وہ اب سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی چمک نہیں تھی۔ اسے یاد آیا تھا حسن سے آخری ملاقات میں وہ بھی اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے' مجھے ان کو سب کچھ بتا دینا چاہیے' چاہے وہ کتنا ہی تلخ' کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔'' اس نے سوچا تھا۔

''بیٹھ جاؤ جویریہ! کھڑے ہو کر تم وہ سب کچھ نہیں سن پاؤ گی۔''

اس نے جویریہ سے کہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے فلور کشن پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ لفظ اکٹھے کرنے شروع کیے تھے۔ کوئی عدالت اولاد کی عدالت سے زیادہ سخت نہیں ہو سکتی اور آج وہ اسی عدالت میں تھی۔ سر جھکا کر اس نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی زندگی کی کہانی' نرسنگ جوائن کرنا' بہن بھائیوں کیلئے ایثار' حسن سے پہلی ملاقات' اس کا تعاقب کرنا' اس کا بچنے کی کوشش کرنا' حسن کی ضد' اس کی باتیں' شادی کا پرپوزل اس کا ہار ماننا' حسن کی محبت میں گرفتار ہونا' گھر والوں کا شادی کی اجازت نہ دینا' اس کی ضد' حسن سے خفیہ شادی' حسن کا رویہ' ان دونوں کی پیدائش' حسن کا طلاق دینا' انکوائری کے بعد ڈی موشن' حسن کے باپ کی بلیک میلنگ' اس کا شرائط قبول کرنا' انہیں حسن دانیال کے بجائے عمر جعفر کا نام دینا' اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ ایک ایک لفظ ایک ایک جملہ دہرایا تھا۔ وہ سب کہہ دیا تھا جو پچھلے چوبیس سال سے

اس کے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔

"مجھے تم لوگوں کی پیدائش پر کوئی شرمندگی تھی نہ پچھتاوا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا ہاں غلطی ضرور کی تھی۔ مگر میں نے تم لوگوں کو اس غلطی کی سزا نہیں دی۔ میں نے تمہارے باپ کی طرح تمہیں نہیں چھوڑا۔ میں چاہتی تو چھوڑ سکتی تھی مگر میں نے ایسا چاہا ہی نہیں میں نے عمر کا ایک حصہ اپنے بہن بھائیوں کیلئے قربان کر دیا۔ باقی عمر تم لوگوں کیلئے گزاری' اپنے لئے صرف ڈیڑھ سال گزارا تھا۔ اس ڈیڑھ سال نے مجھے پاتال میں پھینک دیا۔ میں دوبارہ کبھی اس پاتال سے باہر نہیں آ سکی مگر میں نے تم دونوں کو اس میں گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے تم دونوں کو وہ سب کچھ دیا جو میں دے سکتی تھی۔ جو نہیں دے سکی۔ وہ میں نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے چوبیس سال اپنے لئے نہیں تمہارے لئے گزارے ہیں مگر میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ مجھے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہی تھا۔ میں نے بہت دفعہ تمہیں یہ سب کچھ بتانا چاہا۔ لیکن ہر بار میں خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ میں چاہتی تھی۔ تم دونوں بڑی ہو جاؤ۔ اپنے کیریئر اسٹیبلش کر لو پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ مگر میں پھر بھی ایسا نہیں کر سکی۔ اس سب کی وجہ سے تم دونوں کو جو تکلیف پہنچی ہے' میں اس کیلئے معافی مانگتی ہوں۔ میں نے چوبیس سال تک تم دونوں کی خدمت کی ہے۔ میں اتنے کی مستحق ہوں کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔"

اس نے گیلی آنکھوں کے ساتھ سر اٹھاتے ہوئے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ رابیل اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے منہ کو چھپائے نظریں اس پر جمائے وہ بے حس و حرکت تھی۔ اس نے جویریہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بھاگتی ہوئی اس کے ساتھ آ کر لپٹ گئی تھی۔ سنبل نے اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا تھا۔ پھر وہ خود بھی اس کے کندھے پر سر رکھ کر بلند آواز میں رونے لگی تھی۔

"آپ نے کوئی غلطی نہیں کی ماما! آپ نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ آپ نے جو کچھ کیا۔ ٹھیک کیا۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔"

اس کے کانوں میں جویریہ کی آواز آ رہی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر وہ جویریہ کو ساتھ لگائے روتی رہی تھی۔ پھر اس نے دروازے کو ایک دھماکے سے بند کرنے کی آواز سنی تھی۔ وہ سسکتے ہوئے جویریہ سے الگ ہو گئی تھی۔ رابیل اب لاؤنج میں نہیں تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

"اس نے مجھے معاف نہیں کیا۔" وہ ایک بار پھر سسکنے لگی تھی۔

"ماما! آپ پریشان نہ ہوں' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

وہ اسے ہاتھ سے تھپک کر رابیل کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ دو تین بار دروازہ زور سے بجانے کے بعد رابیل نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اور چہرہ بے تاثر۔

"کیا بات ہے؟" اس نے دروازہ کھولتے ہی پوچھا تھا۔

"تم اندر کیوں چلی گئی ہو۔ باہر آؤ' ہمارے ساتھ بیٹھو۔" جویریہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ اس نے جویریہ کا ہاتھ کندھے سے جھٹک دیا۔

''میں باہر نہیں بیٹھنا چاہتی ہوں۔''

''تم نے مجھے معاف نہیں کیا؟'' سنبل نے اس سے کہا تھا۔

''آپ نے چوبیس سال تک سچ چھپایا ہے۔ اب اسے جانچنے کیلئے مجھے چوبیس گھنٹے تو دیں۔''

''تم مجھے مجرم سمجھتی ہو؟''

''میں کسی کو مجرم سمجھتی ہوں نہ بے گناہ' لیکن مجھے کچھ وقت دیں کہ میں آپ کی باتوں کو سمجھ سکوں ان پر غور کر سکوں۔ جو آپ نے کہا وہ آپ کا ورژن ہے' مجھے اپنے باپ کی بات بھی سننی ہے تاکہ میں جان سکوں کہ سچا کون ہے اور اگر آپ نے ہم سے غلط بیانی کی ہے تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گی اور اگر آپ نے سچ بولا ہے تو میں اپنے باپ کو معاف نہیں کروں گی۔''

اس نے ایک بار پھر ایک جھٹکے سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

''ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ صبح تک نارمل ہو جائے گی۔ اسے آپ کی باتوں پر یقین آ جائے گا۔''

جویریہ ایک بار پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے زبردستی سنبل کو اس کے کمرے میں لا کر لٹا دیا۔ وہ پتا نہیں کب تک جاگتی رہی تھی پھر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

صبح وہ چھ بجے اٹھی تھی۔ جویریہ اس کے پاس ہی بیڈ پر سو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ باہر آئی۔ بیرونی گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے رابیل کے کمرے میں آئی۔ اس کے کمرے کا دروازہ لاکڈ نہیں تھا اور کمرہ خالی تھا۔ اس کا ٹریول بیگ بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ اسے بتائے بغیر راولپنڈی جا چکی تھی' وہ ایک شاک کے عالم میں کمرے میں کھڑی رہی۔

❁

جنرل (ر) بابر کریم جس وقت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو وہ کتابوں کے شیلف کے پاس کھڑی بازو سینے پر باندھے کتابوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ آہٹ پر ان کی طرف پلٹ گئی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر۔'' انہوں نے اسے کہتے سنا تھا۔ اب اس نے ہاتھ پشت پر باندھ لئے تھے۔

''گڈ ایوننگ۔'' انہوں نے اس لڑکی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ لیڈی ڈاکٹرز کی مخصوص یونیفارم والی ساڑھی پہنے وہ بہت دراز قد لگ رہی تھی۔ بوائے کٹ بال پنکھے کی ہوا کی وجہ سے ماتھے پر آ رہے تھے۔ جنہیں وہ وقتاً فوقتاً ہاتھ سے پیچھے کر رہی تھی۔ چمکدار ڈارک براؤن آنکھوں والی اس لڑکی سے انہیں کچھ چونکا دیا تھا۔ انہیں یوں لگا تھا جیسے انہوں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔

''شاید آپ کیپٹن ڈاکٹر رابیل جعفر ہیں۔'' انہوں نے اس سے کہا تھا۔ اس بار انہوں نے اس کے چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ ابھرتے دیکھی تھی۔

''یس سر!''

''بیٹھیں۔'' وہ اس سے کہتے ہوئے خود بھی صوفے پر بیٹھ گئے۔ ''کرنل ڈاکٹر جاوید نے فون کیا تھا مجھے کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں، شاید میری کتابوں کے بارے میں کچھ ڈسکس کرنا چاہتی ہیں۔'' بابر کریم نے بات شروع کی تھی۔

''یس سر! میں کافی عرصے سے آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ آپ کی تقریباً ساری کتابیں پڑھی ہیں میں نے اور آپ کے کالمز بھی پڑھتی رہتی ہوں۔ آپ سے ملنے کا کافی شوق تھا مجھے۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔''

بابر کریم کے چہرے پر ایک فخریہ مسکراہٹ آئی تھی۔ ''تھینک یو آپ کیا لیں گی؟'' چائے یا کافی یا کوئی سافٹ ڈرنک؟''

''جو آپ لیں گے وہی۔'' وہ اس کی بات پر مسکرائے تھے۔ ملازم کے آنے پر انہوں نے کافی لانے کیلئے کہا تھا۔

''آپ کے فادر آرمی میں ہیں؟''

''آرمی میں تھے لیکن ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے کئی سال پہلے۔''

''ویری سیڈ کون سے رینک میں تھے؟''

''کیپٹن تھے۔''

''تب تو بہت بچپن میں ہی ان کی وفات ہو گئی ہوگی۔''

''ہاں تب میں صرف دو ماہ کی تھی۔ سر! آج کل آپ اور کیا لکھ رہے ہیں۔ آئی مین کسی نئی کتاب پر کام کر رہے ہیں؟'' رابیل نے بات بدل دی تھی۔

''دو تین کتابوں پر کام کر رہا ہوں۔'' وہ اسے اپنی کتابوں کی تفصیلات بتانے لگے وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

''آپ نے میری کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟'' انہوں نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا تھا۔

''بہت سی Peace Research in South Asia

Geo-political Factors in Pakistan India Relation وہ کتابوں کے نام گنوانے لگی۔

''میں نے آپ کو بتایا ناں میں بہت عرصے سے آپ کو پڑھ رہی ہوں۔''

جنرل (ر) بابر کریم کو اس سے گفتگو کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ اس سے باتیں کرتے رہے مگر ہر بار اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی انہیں کچھ الجھن ہوتی تھی یوں جیسے انہوں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہو مگر کہاں؟ وہ باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے میں مصروف تھے۔

''سر! آپ نے کبھی آٹو بائیوگرافی لکھنے کے بارے میں نہیں سوچا؟'' کافی پیتے ہوئے اس نے ان سے پوچھا تھا۔

''ہاں آج کل میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ بلکہ میں اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی لکھنا چاہتا ہوں۔ شاید آپ کو پتا ہو میرے والد کرنل تھے، میں جنرل کے اس رینک تک پہنچا۔ اب میرا چھوٹا بیٹا حسن دانیال بھی اس رینک تک پہنچے گا۔ فی الحال بریگیڈیئر کے طور پر کام کر رہا ہے۔ بڑا بیٹا بھی اس رینک تک ضرور پہنچتا مگر 71ء کی وار کے بعد اسے جنگی قیدی بنا لیا گیا بعد میں اس کو کچھ فزیکل فٹنس کی پرابلمز ہونے لگیں،

اس وجہ سے اس نے آرمی سے جلدی ریٹائرمنٹ لے لی' مگر حسن کی صورت میں میری فیملی کی تیسری نسل بھی جنرل کی نسل ہوگی۔ ان کے لہجے میں بے پناہ فخر اور غرور تھا۔

"That`s great" رابیل کی آواز میں ستائش تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ تفصیلی کام کروں تاکہ لوگوں کو ان کے بارے میں زیادہ پتا چل سکے۔'' وہ رابیل کو اپنی فیملی کے بارے میں بتانے لگے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کہاں سے تھا۔ ان کا اسٹیٹس کیا تھا۔ ان کے کارنامے کیا تھے ان کی فیملی کے لوگ کون کون سے بڑے اور اونچے عہدے پر کام کر چکے ہیں۔''

رابیل ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ بڑی خاموشی بڑے سکون کے ساتھ۔ بہت دیر بعد جب وہ خاموش ہوئے تو رابیل نے ان سے جانے کی اجازت مانگی۔

''مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی ہے مگر آج نہیں جب دوبارہ آؤں گی تب کروں گی۔'' اس نے جانے سے پہلے کہا تھا۔

''کیا میں توقع رکھوں کہ آئندہ بھی آپ سے مل سکوں گی؟''

''آف کورس۔'' انہوں نے اسے کھلے دل سے اجازت دی تھی۔

''تھینک یو سر۔''

''تم ایک بہت اچھی سامع ہو۔'' وہ دروازے سے باہر نکلنے والی تھی جب انہوں نے کہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

''میں ایک بہت اچھی مقرر بھی ہوں لیکن آپ کی طرح سوچ سمجھ کر اور صحیح وقت پر بولتی ہوں۔ گڈ بائے سر۔''

وہ دروازے سے نکل گئی۔ جنرل بابر کریم کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے جملے پر غور کرتے رہے پھر کندھے اچکا کر اندر کی طرف چلے گئے۔

* * *

''ایکسکیوزمی سر! کیا میں آپ سے اکیلے میں چند منٹوں کیلئے بات کر سکتی ہوں؟'' بریگیڈیئر حسن دانیال اس وقت ٹرالی میں سے مکب نکال رہے تھے جب اس لڑکی نے مداخلت کی تھی' انہوں نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

''آپ کون ہیں اور کیا بات کرنا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے کپ دوبارہ ٹرالی میں رکھ دیا تھا اس لڑکی نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ ایک ضروری معاملے پر۔'' اس نے ان کے ساتھ کھڑے بریگیڈیئر مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آل رائٹ مسعود! میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ گالف کورس پر چلتے ہوئے کچھ دور درختوں کے نیچے بینچ پر آ گئے تھے۔ ''بیٹھیں۔'' انہوں نے رابیل سے کہا تھا' وہ بینچ کے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ وہ خود دوسرے کونے پر بیٹھ گئے تھے۔

''یس کیپٹن رابیل؟''اس نے ان کے چہرے پر نظریں جمادی تھیں۔

''آپ کسی نرس سنبل جعفر کو جانتے ہیں؟''اس نے اپنے سوال پر ان کے چہرے کو بالکل سپاٹ ہوتے دیکھا تھا۔ان کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔''جس سے آپ نے چوبیس سال پہلے شادی کی تھی اور جس سے آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں؟''

ان کے چہرے کا رنگ اب بدل گیا تھا۔

''تم کون ہو اور کس کے بارے میں بات کر رہی ہو اس نے ان کی غراہٹ سنی تھی وہ بینچ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ بھی کھڑی ہوگئی ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

میں آپ کی دونوں بیٹیوں میں سے ایک ہوں۔

''جہنم میں جاؤ تم۔''

''میری صرف ایک بیٹی ہے اور اس کا نام شرمین ہے اور میں کسی سنبل کو جانتا ہوں نہ میں نے کسی سے شادی کی ہے۔تم شاید جانتی نہیں کہ میں کس فیملی سے تعلق رکھتا ہوں۔میں کسی تھرڈ کلاس نرس سے شادی کیسے کرسکتا ہوں؟''

رابیل کو لگا تھا جیسے انہوں نے اس پر اور اس کی ماں کے منہ پر تھوک دیا ہو۔

''تھرڈ کلاس نرس۔''وہ بڑبڑائی تھی۔

''اس نے کہا تھا۔وہ سب ایک غلطی تھی۔مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔وہ اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہے۔''

''اس نے کہا تھا تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میں معذور ہو جاؤں گا۔آگے نہیں بڑھ سکوں گا اور مجھے ابھی بہت آگے جانا ہے۔''

ایک ماہ پہلے اس نے اپنی ماں کو کسی مجرم کی طرح سر جھکائے چہرہ چھپائے شکستہ آواز میں یہ سب کہتے سنا تھا۔تب اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''کوئی باپ اپنی اولاد کو اس طرح کیسے چھوڑ سکتا ہے کہ اسے اپنا نام بھی نہ دے۔کوئی شوہر اپنی بیوی کو کسی وجہ کے بغیر طلاق کیسے دے سکتا ہے۔یہ سب کیسے کہہ سکتا ہے۔مجھے یقین نہیں آتا۔مجھے اعتبار نہیں ہے۔''

اس رات اس نے سوچا تھا اور اب اسے پہلی بار اپنی ماں کے لفظوں میں چھبی ہوئی کرچیاں محسوس ہو رہی تھیں۔

''جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو میں یہ نہیں جانتا' تم یہ بکواس کیوں کر رہی ہو مگر میں Co-Cmh سے بات کروں گا۔تمہیں اس طرح نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ انگلی اٹھا کر بہت تیز اور بلند آواز میں اسے دھمکا رہے تھے۔

''تھینک یو ویری مچ۔آپ نے میری بہت سی غلط فہمیاں دور کر دیں۔اب آپ میری بات سنیں۔اگلے ہفتے میری ماں کورٹ میں کیس کرے گی بریگیڈیئر حسن دانیال کے خلاف۔ان کے فراڈ کے خلاف۔اپنی اولاد کو چوبیس سال تک اپنا نام نہ دینے اور ان کے اخراجات پورے نہ کرنے کیلئے اور ایسی ہی ایک شکایت چیف آف آرمی سٹاف کو بھجوائی جائے گی اور اس کے بعد یہ پورا کیس میں اخبارات کو دے دوں گی ایک ایک تفصیل کے ساتھ۔''

''یو بلڈی بچ۔'' انہوں نے اسے گالی دی تھی۔ اس کا چہرہ ایک لمحے کیلئے سرخ ہو گیا تھا پھر وہ مسکرائی تھی۔

''ہاں میں کتیا ہوں اور کتیا کی طرح آپ کو کاٹوں گی۔ میں دیکھوں گی بریگیڈئر حسن دانیال اس کے بعد تم لوگوں کے سامنے کیسے آتے ہو۔''

''میں تمہارے کیس کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تمہاری ماں کے پاس نکاح نامہ ہے؟ طلاق نامہ ہے نہیں؟ کوئی دوسرا ثبوت ہے نہیں، تمہاری ماں کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ میں نے اس سے شادی کی تھی یا تم میری اولاد ہو تم میرے خلاف ایک معمولی سا ثبوت بھی نہیں لا سکتیں۔ ہاں میں تمہارا کیریئر ختم کر دوں گا۔ تمہارے ساتھ بالکل ویسا ہی ہو گا جیسا تمہاری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ اسے صرف ڈی موٹ کیا گیا تھا۔ تمہیں جاب سے فارغ کر دیا جائے گا۔ تم ابھی میری طاقت سے واقف نہیں ہو جاؤ اور جا کر اپنی ماں سے پوچھو تمہارے لئے یہی بہتر ہو گا اگر تم یہاں سے چلی جاؤ اور دوبارہ یہ بات کبھی اپنی زبان پر نہ لاؤ۔ تب ہو سکتا ہے۔ میں تم پر ترس کھاؤں اور تمہیں معاف کر دوں حالانکہ تم اور تمہاری ماں اس قابل نہیں ہیں۔''

''ماما! آپ نے صحیح کہا تھا کہ آپ نے ایک غلط آدمی کے ساتھ شادی کی تھی مگر آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آدمی سانپ ہے اور آپ نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ سانپ کیسے مارتے ہیں مگر مجھے سانپ کے زہر کا تریاق آتا ہے کیونکہ میری رگوں میں بھی اسی سانپ کا خون ہے۔'' وہ ہونٹ بھینچے کھڑی تھی۔

''میری ماما کہتی ہیں۔ میں جگسا پزل حل کرنے میں بہت ماہر ہوں اور میرا خیال ہے۔ یہ سچ ہے جو جگسا پزل میری ماما چوبیس سال سے حل نہیں کر سکیں۔ اسے میں نے ایک ماہ میں حل کر لیا ہے میرے پاس نکاح نامہ نہیں ہے مگر اس نکاح خواں کا حلفیہ بیان ہے کہ اس نے چوبیس سال پہلے آپ دونوں کا نکاح پڑھایا تھا اور اس کے بعد کس طرح اس سے اس نکاح کا ریکارڈ حاصل کیا گیا اور اسے اپنی رہائش کا شہر بدلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ چونکیے مت، میں اس نکاح خواں سے مل چکی ہوں۔ میرے پاس ان چاروں گواہوں کے حلفیہ بیانات بھی ہیں کہ یہ شادی ان کے سامنے ہوئی تھی۔ تم انہیں بھی نہیں چھپا سکے۔ شادی کی تصاویر تم نے غائب کر دی تھیں۔ مگر کچھ تصاویر ماموں کے پاس تھیں۔ لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر کے پاس اور وہ اب میرے پاس ہیں۔ ملتان میں شادی کے بعد جس ہوٹل میں تم دو دن ٹھہرے تھے۔ میرے پاس ان دونوں کا ریکارڈ بھی ہے۔ وہاں تم نے اپنا شناختی کارڈ نمبر اور سائن کیے ہوئے ہیں۔ مسٹر اور مسز حسن دانیال کے ناموں کے نیچے۔''

اس کے لہجے میں بے حد ٹھنڈک تھی اور یہ ٹھنڈک بریگیڈئر حسن دانیال کے اعصاب کو سن کرنے لگی تھی۔

''کیا اتنے ثبوت کافی نہیں ہیں؟ نہیں اتنے ثبوت کافی نہیں ہیں کچھ اور بھی ہونا چاہیے تمہارے خلاف۔ میرے پاس اسی ہوٹل کا ایک ہفتے کا ریکارڈ بھی ہے جہاں کشمیر میں شادی کے بعد تم ٹھہرے تھے۔ وہاں بھی مسٹر اینڈ مسز حسن دانیال کے دستخط اور آئی ڈی کارڈ نمبر موجود ہیں۔ چوبیس سال پہلے تم نے کس ڈیٹس پر چھٹیاں لی تھیں۔ میرے پاس تمہارا وہ ریکارڈ بھی موجود ہے اور ایک آخری چیز میں نے تمہارا میڈیکل ریکارڈ نکلوایا ہے۔ تمہارا بلڈ گروپ B+ ہے میرا اور جویریہ کا بھی یہی ہے۔ کیا اولاد ثابت ہونے کیلئے یہ کافی نہیں ہے اور اگر یہ کافی نہیں ہے تو پھر Paternity test کے بعد یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ پھر تم کیا کرو گے بریگیڈئر حسن دانیال! کس کس چیز کو غلط ثابت کرو گے۔ دس چیزوں کو جھوٹا

ثابت کرو گے۔ میں دس اور لے آؤں گی۔

"آل رائٹ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔ ہمیں کوئی ڈیل کر لینی چاہیے۔ میں تمہاری ساری شرائط ماننے کو تیار ہوں۔ تمہیں روپیہ چاہیے میں وہ دینے کو تیار ہوں۔ تمہیں نام چاہیے۔ میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔ میں مان لوں گا کہ تم لوگ میری بیٹیاں ہو اور سنبل سے میں نے شادی کی تھی۔ تمہیں جائیداد میں سے حصہ چاہیے۔ میں وہ بھی دوں گا۔ میرا خاندان بھی تم لوگوں کو قبول کر لے گا مگر تم اس سب کو سیکرٹ رہنے دو۔ عدالت میں جانے کی ضرورت ہے نہ پریس میں، میں کسی اسکینڈل کا حصہ بننا نہیں چاہتا۔ چند دنوں تک میری پروموشن ہونے والی ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ اس میں کوئی رکاوٹ آئے۔" اس بار بریگیڈیئر حسن دانیال کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔

"ہاں ڈیل ہونی چاہیے لیکن میری شرائط پر۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم کورٹ میں ہمارا مقابلہ کرو۔ ہمیں غلط ثابت کرو۔ ہمارے ساتھ کوئی ڈیل نہ کرو اور دوسرا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکی تھی۔

"دوسرا؟" وہ بے چین تھے۔

"وہ دوسرا راستہ زیادہ قابل عزت ہے۔ تم قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لو۔"

بریگیڈیئر حسن دانیال کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا تھا۔

"رابیل! تم۔"

اس نے بریگیڈیئر حسن دانیال کی بات کاٹ دی۔ ایک ہاتھ اٹھا کر بڑے دھیمے ٹھنڈے اور پرسکون انداز میں اس نے کہا تھا۔

"مجھے بات پوری کرنے دو۔ تم اگر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لو گے تو میں یا کوئی اور دوبارہ یہ معاملہ لے کر تمہارے سامنے نہیں آئیں گے۔ یہ قصہ ہمیشہ کیلئے دفن ہو جائے گا۔ تم اپنی فیملی کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے خاندان کی نیک نامی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ دوسری صورت میں تم جانتے ہو، کیا ہوگا۔"

"رابیل! اس طرح مت کہو۔ میں تمہیں سب کچھ دینے کو تیار ہوں مگر میرا کیریئر تباہ۔"

اس نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی تھی۔

"جو چیزیں تم دینا چاہتے ہو۔ اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ باپ کے طور پر ایک نام پہلے ہی میرے پاس ہے، چند سال بعد شادی ہو گی تو شوہر کا نام میرے ساتھ لگ جائے گا۔ تمہارے نام کی تو ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ جو پیسہ دینا چاہتے ہو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میری ماں نے میری پرورش حلال کے پیسے سے کی ہے۔ تمہارا حرام ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا پیسہ مجھے سوٹ نہیں کرے گا۔"

"رابیل! مجھے سوچنے کیلئے وقت دو۔"

"ہاں وہ میں ضرور دوں گی۔ میں دس منٹ دیتی ہوں۔ اس میں فیصلہ کرو۔" بریگیڈیئر حسن دانیال چیخ پڑے تھے۔

''دس منٹ۔''

''تم میرے ساتھ کیسے کر سکتی ہو۔تم بیٹی ہو میری۔''اس نے کلائی پر باندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔

''دس منٹ اب شروع ہوتے ہیں۔''اس کا اطمینان دل ہلا دینے والا تھا۔

''میں مانتا ہوں رابیل مجھ سے غلطی ہوگئی۔میں نے تم لوگوں پر زیادتی کی۔مگر تم نہیں جانتیں میں مجبور تھا۔میں بہت مجبور تھا۔''

وہ اس سے کہہ رہے تھے۔وہ کسی روبوٹ کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔''جذبات سے کام نہ لیں۔ٹائم کم ہے ماضی کے بارے میں مت سوچیں۔ماضی کی غلطیوں کو بھول جانا چاہیے۔مرد ایسی بہت سی غلطیاں کرتا رہتا ہے۔آج کے بارے میں سوچیں۔اپنی چوائس کے بارے میں سوچیں۔آپ کے پاس آٹھ منٹ رہ گئے ہیں۔''

''رابیل! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو' مجھ پر بہت پریشر تھا۔میں آج بھی سنبل سے محبت کرتا ہوں۔میں آج بھی تم دونوں کو چاہتا ہوں' میں تم لوگوں کو کبھی بھول نہیں پایا۔''ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

''جن لوگوں کا ساتھ آپ کو معذور کر دے ان کے بارے میں مت سوچیں۔اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچیں چوائس کریں۔'' اس کے لہجے کی ٹھنڈک اب حسن دانیال کیلئے نشتر بن گئی تھی۔

''میرا کیریئر میرے لئے سب کچھ ہے۔یہ ختم ہوگا' تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔میرے لئے دنیا میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔تم میری اولاد ہو۔میرا خون ہو۔تم اپنے باپ کو تباہ کیسے کر سکتی ہو؟''وہ اب گڑگڑا رہے تھے۔

''دو منٹ باقی رہ گئے ہیں۔دو منٹ کے بعد اگر آپ نے اپنی چوائس نہ بتائی تو میں سمجھوں گی۔آپ نے پہلے راستے کو منتخب کیا ہے۔''وہ کسی برفانی گلیشئر کی طرح ان کے سامنے کھڑی تھی۔

بریگیڈیئر حسن دانیال اسے مار ڈالنا چاہتے تھے ماضی کا یہ فتنہ۔

''میں ریٹائرمنٹ لے لوں گا۔''اس نے دسویں منٹ میں انہیں کہتے سنا تھا۔

''آپ بہت عقل مند ہیں۔آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔''اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔وہ بے جان سے ہو کر بینچ پر بیٹھ گئے۔سر اٹھا کر انہوں نے اسے دور گالف کورس کو پار کرتے دیکھا تھا۔

...........❁...........

''تم جو کچھ کر رہی ہو غلط کر رہی ہو' میں نے تم لوگوں کو یہ سب نہیں سکھایا۔''سنبل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ ایک ایسے شخص کی حمایت کر رہی ہیں جس نے چوبیس سال پہلے آپ کو آپ کی بچیوں سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔''

''رابی! میں اب ماضی یاد کرنا نہیں چاہتی۔میں ماضی یاد کر کر کے تھک چکی ہوں۔میں نے تم لوگوں کیلئے بہت محنت کی ہے۔میں اب تم لوگوں کے ساتھ سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔میں نہیں چاہتی تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے۔تم ان کی طاقت سے واقف نہیں ہو۔میں واقف ہوں۔''

''آپ کیوں خوفزدہ ہیں اس شخص سے وہ اگر میرے یا جویریہ کے خلاف کچھ کرسکتا تو کر چکا ہوتا۔ وہ آپ کو فون کر کے اس طرح مجھے روکنے کیلئے نہ بھجواتا۔''

سنبل نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''رابی! ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں اب ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ ہمیں جائیداد میں حصہ دینے کو تیار ہیں۔ ہم سے معافی مانگنے کو تیار ہیں ہمیں اپنے خاندان کا حصہ بنانے پر تیار ہیں۔ کیا یہ سب کافی نہیں؟'' اس بار جویریہ نے اس سے کہا تھا۔

''نہیں یہ کافی نہیں ہے۔ جو چیزیں تم چاہتی ہو جویریہ وہ میں نہیں چاہتی۔ تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ تم ان کے پاس جاؤ اور صلح کرلو۔ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنا چاہتی ہوں اور میں یہی کروں گی۔'' وہ ابھی بھی اپنی ضد پر قائم تھی۔

''اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟'' سنبل نے بے بسی سے کہا تھا۔

''ہر کام فائدہ یا نقصان کیلئے نہیں کیا جاتا۔''

''میں نے تمہیں انتقام لینا کبھی نہیں سکھایا۔ یہ انتہا پسندی تم نے کہاں سے سیکھی ہے؟ میں نے تو تمہیں زندگی کو بہت متوازن طریقے سے برتنا سکھایا تھا۔''

''میں زندگی میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش ہی کر رہی ہوں ماما! آپ جانتی ہیں' اس شخص نے مجھے گالی دی۔ اس نے مجھے کتیا کہا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے مجھ پر اور آپ پر ظلم کیا ہے پھر بھی اس شخص نے مجھے گالی دی۔ میں یہ سب کرنے کیلئے اس سے ملنے نہیں گئی تھی لیکن جب اس نے مجھے گالی دی۔ جب اس نے میرا وجود ماننے سے انکار کر دیا۔ تب میں نے یہ طے کیا تھا کہ میں بھی اس شخص سے وہ چیز چھینوں گی جو اس کیلئے سب سے اہم ہے اور پتا ہے ماما! وہ چیز کیا ہے اس کا کیریئر جنرل کا عہدہ جس کیلئے وہ پلاننگ کر رہا ہے۔ اس شخص کا باپ اپنے خاندان کی تاریخ پر کتاب لکھ رہا ہے ایسا خاندان جس کی تین نسلوں میں جنرل ہوں گے' مگر ماما! ایسا کبھی نہیں ہوگا' اس شخص کی تیسری نسل میں جنرل نہیں ہوگا۔ حسن دانیال کبھی جنرل نہیں بنے گا اور وہ جنرل نہیں بنے گا تو یہ شخص ختم ہو جائے گا اور میں یہی چاہتی ہوں۔''

سنبل نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ جنرل نہیں بنے گا۔ اس کا بیٹا بن جائے گا۔ تم کس کس کو روکو گی؟''

''بن جائے۔ اس کا بیٹا بے شک جنرل بن جائے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ غلطی حسن دانیال نے کی تھی۔ سزا اس کو ملنی چاہیے۔ میں اس کے بیٹے کے لئے کوئی کنواں نہیں کھودوں گی۔ مجھے صرف حسن دانیال سے غرض ہے۔ تیسری نسل میں جنرل نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کسی کو اس کی غلطی کی سزا نہیں دینا چاہتی۔ اگر اس نے غلطی کی تھی تو ایک غلطی میں نے بھی کی تھی۔ اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کر کے۔''

''آپ نے چوبیس سال اس غلطی کی سزا کاٹی ہے آپ نے اپنی زندگی کے چوبیس سال گنوا دیئے۔ اس شخص نے کیا گنوایا۔ آپ چوبیس سال اپنے خاندان کے بغیر رہیں۔ آپ نے شادی نہیں کی۔ اس شخص کی اولاد کو پالتی رہیں اور اس اولاد سے یہ تک نہیں کہہ سکیں کہ وہ آپ کی اپنی اولاد ہے۔ اس شخص کو کیا نقصان ہوا۔ ایک خوبصورت بیوی' تین بچے' بڑا عہدہ' نام' شہرت' روپیہ اس نے چوبیس سال میں کیا نہیں پایا۔ آپ کو وعدے کے باوجود انکوائری میں کلیئر نہیں کیا گیا۔ ڈی موٹ کر دیا گیا اور دوبارہ کبھی پروموشن نہیں دی گئی۔ اس شخص نے یا اس کے باپ نے ترس کھایا؟ نہیں ماما! کچھ چیزوں کے بارے میں حساب کتاب صاف رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ کیا جائے تو ہم دوسروں کے راستے میں پتھر رکھ دیتے ہیں ٹھوکر کھانے کے لئے۔ میں اس پتھر کو رستے سے ہٹا دینا چاہتی ہوں اور میں ماما! میں خوفزدہ نہیں ہوں۔''

اس نے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔ سنبل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں حسن کی آنکھیں تھیں اور اس کی آنکھوں میں اس وقت وہی سفاک چمک تھی جو آخری ملاقات میں حسن کی آنکھوں میں تھی' تب چوبیس سال پہلے اس چمک نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس پر ترس نہیں کھائے گا آج چوبیس سال بعد وہی چمک ایک بار پھر کہہ رہی تھی کہ وہ اس پر ترس نہیں کھائے گی۔ تب چوبیس سال پہلے اس نے اپنے پیروں میں بھنور کو لپٹتے دیکھا تھا۔ آج چوبیس سال بعد وہ بھنور حسن کے تعاقب میں تھا۔ چوبیس سال پہلے اسے کسی نے نہیں بچانا چاہا تھا۔ آج وہ حسن کو بچانا چاہتی تھی اور یہ ممکن نہیں تھا۔

اس کے کانوں میں حسن کی آواز آ رہی تھی جب دو دن پہلے وہ فون پر گڑگڑاتے ہوئے اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ اس سے منت کر رہا تھا کہ وہ رابیل کو سمجھائے۔

اسے بتا رہا تھا کہ وہ کتنا مجبور ہو گیا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ اسے اس سے کتنی محبت تھی۔

اسے قسم دے رہا تھا کہ وہ رابیل سے بات کرے اسے سمجھائے۔

وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اس نے کبھی اسے اس لہجے' اس انداز سے بولتے نہیں سنا تھا۔ حسن دانیال تو خدا کی طرح بات کرتا تھا اور پھر اسے اس پر بے تحاشا ترس آیا تھا۔

''میں اس سے بات کروں گی۔'' اس نے فون رکھ دیا تھا اور اب وہ رابیل کو دیکھ رہی تھی اور اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ اسے حسن دانیال کی یاد دلاتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں' اس کی مسکراہٹ' اس کے انداز سب کچھ حسن کا تھا اور اسے ہر بار خوف آتا تھا کہ کہیں وہ حسن جیسی نہ ہو' اس کا خوف سچ ثابت ہوا تھا۔ وہ خوبصورت تھی' دلکش تھی۔ لوگوں کو مسحور کر لیا کرتی تھی۔ بالکل حسن کی طرح اور وہ بے رحم بھی تھی جیسے حسن۔ اس کے نام کے ساتھ حسن کا نام نہ سہی مگر اس کی رگوں میں اسی کا خون تھا اور اسے اپنے باپ سے بہت کچھ وراثت میں ملنا تھا۔ جو اسے ملا تھا' فرق صرف یہ تھا کہ اس بار سنبل کے بجائے حسن کو بھگتنا تھا۔

''اور کاش میں رابیل کو روک سکتی' کاش میں اسے بتا سکتی کہ وہ میرے لئے کیا ہے۔ اس سب کے بعد بھی جو اس نے کیا۔ ان چوبیس سالوں کے بعد بھی مجھے اس شخص سے محبت ہے اور جس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی راہ میں کانٹے نہیں بچھاتے مگر رابیل' وہ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتی۔

اس نے تھکے تھکے انداز میں صوفہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

......❁......

اسے یاد آ رہا تھا۔ چھ ماہ کے بعد حسن دانیال نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی اور اس ریٹائرمنٹ کے تین دن بعد اس نے عنبرین حسن سے ملاقات کر کے انہیں تمام ثبوتوں کے ساتھ اپنی کہانی سنا دی تھی۔

حسن دانیال نے اس رات فون کر کے ایک بار پھر اسے گالیاں دی تھیں ان کا خیال تھا کہ اس نے فراڈ کیا ہے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور یہ بات سنبل سے بھی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''تم نے یہ کیوں کیا رابیل؟ جب تم وعدہ کر چکی تھیں کہ تم سب کچھ چھپا لو گی اور اس نے تمہاری بات مان لی تھی تو پھر ایسا کیوں؟''

''ماما! میں وعدے پورے نہیں کر سکتی۔ بالکل حسن دانیال کی اور ان کے باپ کی طرح انہوں نے بھی تو انکوائری کو ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر ایسا نہیں کیا۔ میں بھی چاہتی تھی کہ یہ شخص کہیں اور نہیں تو اپنے گھر میں تو دھتکارا جائے۔ اپنی بیوی اور بچوں کے ہاتھوں۔''

''تم رابیل! تم۔'' سنبل اسے مایوسی کے عالم میں دیکھتی رہی تھی اس نے سر جھکا لیا تھا۔

اور آج آٹھ سال کے بعد اس نے پھر سے اسی چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ آٹھ سال پہلے کے حسن دانیال کا صرف سایہ ہی لگ رہا تھا۔ چہرے پر پھیلی ہوئی جھریاں' لاغر وجود' جھکے ہوئے کندھے' زرد رنگت' اس نے ایک نظر میں جیسے اسے اندر تک جانچ لیا تھا۔ اسے آٹھ سال پہلے گالف کورس میں کھڑے بریگیڈئر حسن دانیال کا غرور و طنطنہ یاد آیا تھا۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے؟'' اس نے میجر عثمان کی آواز سنی تھی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے گرد و پیش کو سمجھنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔ بس کچھ تھک گئی ہوں۔''

اس نے اسامہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ ''ایک ہفتہ کے بعد میں ایکسرسائز پر چلا جاؤں گا۔ تم چند دن کی چھٹی لے کر ماما کے پاس چلی جانا۔ کچھ ریلیکس ہو جاؤ گی وہاں۔'' عثمان نے اس سے کہا تھا۔

''ماما۔ ہاں ماما کے پاس چلی جاؤں گی۔'' اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''میں بھی نانو کے پاس جاؤں گا اور پھر میں ان سے کہوں گا کہ مجھے کھلونے لے کر دیں اور اگر نہ دیے تو۔''

اسامہ کی بیٹری ایک بار پھر چارج ہو گئی۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

......❁......